انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

جلد: ۲، شمارہ: ۹، مئی ۲۰۱۸ء / شعبان المعظم۔رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ

انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
سورۃ الفاتحہ: ایک عہد، ایک اگریمنٹ	ابونبراس برہان احمد	۵
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۹)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۸
افادات جلیل احسن ندویؒ (۶)	ظفر احمد الاثری	۱۷
امہات المومنین۔ فضائل ومناقب	عبیداللہ طاہر فلاحی مدنی	۴۱
فیضان نظر اور کرامات مکتب	ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی	۵۲
سمر اسلامک اسکولس	انعام اللہ فلاحی	۷۳
مولانا آزاد اور غبار خاطر	جوہر جاوید	۷۷
مشاہیر کے خطوط	ادارہ	۸۳
شعر ونغمہ	شرکائے بزم	۸۵
تعارف وتبصرہ	محمد اسعد فلاحی	۸۷
آپ کے خطوط	قارئین	۸۹
جامعہ کے لیل ونہار واخبار انجمن	مصباح الباری فلاحی	۹۱
اخبار انجمن	ادارہ	۹۵

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اپنی بات

انسانی سماج تنوع اور رنگارنگی سے عبارت ہے، یہ تنوع لسانی بھی ہے، تہذیبی بھی ہے، اور مذہبی بھی۔ یہ سماجی تنوع زمانہ قدیم سے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ انسانی دنیا کا سفر جس تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اسی تیز رفتاری کے ساتھ اس تنوع میں اضافہ بھی ہوتا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ تنوع انسانی فطرت کا تقاضا اور الٰہی مشیت کا جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ (الحجرات:۱۳)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔)

وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَ يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ۔ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ۔ (سورہ ہود:۱۱۸۔۱۱۹)

(بیشک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔ اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادیٔ انتخاب واختیار اور امتحان) کے لیے ہی تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا۔)

قرآن مجید امت مسلمہ کی تشکیل کے ساتھ ساتھ اس کے رویوں کی تشکیل کا کام بھی کرتا ہے۔ وہ امت کا منصب اور مقام متعین کرتے ہوئے اسے ایک اعلیٰ وارفع نصب العین کا پابند بناتا ہے۔ قرآن مجید میں اِس نصب العین کو بہت ہی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، یہ نصب العین انسانی سماج کے درمیان اس امت کے کردار کو بھی طے کرتا ہے اور اس کے سماجی تعلقات کی نوعیت کو بھی واضح کرتا ہے، کہا گیا:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (آل عمران:۱۰۴)

(تمہیں ایک ایسی امت بن جانا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

آگے کہا گیا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ۔ (آل عمران:۱۱۰)

(تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (فصلت:۳۳)

(اس سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور صالح عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں بردار ہوں۔)

قرآن مجید ایمان اور عقیدے کے بگاڑ کو انسانی سماج کا سب سے بڑا مسئلہ قرار دیتا ہے اور اس کو بار بار اور طرح طرح سے ایڈریس کرتا ہے۔ قرآن مجید اس کو اسلامی جدوجہد کا مرکز ومحور قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتی رودادیں اس سلسلے میں واضح طور سے رہنمائی کرتی ہیں۔ تاہم قرآن مجید صرف ایمان اور عقیدے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ سماج کی تعمیر کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے اور سماج میں بگاڑ اور فساد کے سد باب کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ وہ ایمان اور عقیدے کے ساتھ ساتھ عمل صالح اور مسابقہ الی الخیرات کو بھی انفرادی اور اجتماعی، ہر دو قسم کی جدوجہد کے لازمی حصہ کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

سورة الفاتحة

ایک عہد، ایک ایگریمنٹ

ابو نبراس برھان احمد، جالنہ۔مہاراشٹر

حقیقتاً کامیاب زندگی اوراخروی فلاح کے
رہنما خطوط پر مشتمل ایک گائیڈ ہے یہ سورہ

سورہ الفاتحہ،قرآن پاک کی ایک اہم ترین سورہ ہے،حکمت ودانائی کا درس اس میں پنہاں ہے،احکام خداوندی کا یہ ایک نایاب گلدستہ ہے،اس کا ہر لفظ وسیع معانی اور دقیق حقائق کواجاگر کرتا ہے، دنیاوجہاں کو پیدا کرنے والے اصل مالک کی طرف رہنمائی کرتا ہے،خالق اورمخلوق کے رشتہ کواستوار کرتا ہے،اس سلسلے میں مخلوق کو رہنما خطوط دیتا ہے،انسان کوان کے آئیڈیل افراد سے متعارف کراتا ہے، ناکام ونامرادافراد کی نشاندہی کرتا ہے،حقیقتاً کامیاب زندگی اوراخروی فلاح کے رہنما خطوط پر مشتمل ایک گائیڈ ہے یہ سورہ۔

اس گائیڈ کی اساس،اس کی بنیاد،اس کا محوراوراس کا اعلان،خالق اورمخلوق کے درمیان ہونے والا عہد و پیمان ہے،دراصل اس میں اس ایگریمنٹ پر کاربند ہونے کا انسان وعدہ کررہا ہے کہ ’’اے ہمارے پیدا کرنے والے!اے ہمارے رب روز جزاوسزا کے مالک!ہم صرف تیری ہی بندگی کریں گےاورصرف تجھ ہی سے مدد مانگے گے‘‘ ایسی بندگی جو چندفرائض تک محدود نہ ہو،ایسی بندگی جوایمان کی روح سے خالی نہ ہو،ایسی بندگی جو بوجھ نہ لگے،ایسی بندگی جس سے دل بیزار نہ ہو،ایسی بندگی جو مفاد کے ساتھ نہ بدلتی ہو، بلکہ ایسی بندگی جودل کا سکون ہو،ایسی بندگی جس میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہو،ایسی بندگی جس سے روح کوتازگی اورسوچ کو پرواز نصیب ہو،ایسی بندگی جو ہرایک سے بے نیاز کردے،ایسی

بندگی جو اپنے پیدا کرنے والے اللہ سے جوڑ دے، اسی کا بنا کر رکھ دے، اسی کے نام سے صبح ہو اور اسی کے ذکر سے شام ہو، تنہائی میں بھی اس کا ساتھ ہو، مجمع میں بھی آنکھوں سے وہ اوجھل نہ ہو، رنج وغم کے مارے جب نڈھال ہو تو اسی کے سہارے کی تلاش ہو، اور جب خوشی میسر ہو تو زبان پر اسی کا شکر ہو، جب معاملات کریں تو اس کی خوشنودی مطمح نظر ہو، کاروبار ہو یا شادی بیاہ، معاشرت کے مسائل ہوں یا سماج کے معاملات اس کی ناراضگی سے بچنے کی مکمل کوشش ہو۔

''ایاک نعبد وایاک نستعین'' صرف تیری ہی بندگی کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگیں گے۔۔ یہ ایک ایسا عہد ہے جس کے اقرار کے وقت پیارے نبی ﷺ کا ہر ایک امتی ''نعبد'' کا کلمہ استعمال کرتا ہے، جو ''عبد'' سے بنا ہے جس کے معانی ہی مکمل اطاعت اور غلامی کے ہوتے ہیں، اور عبادات، نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ اس بندگی کا مظہر ہے، اس بندگی کی علامت ہے، اور اس بندگی کا لازمی جزو ہے۔ اور اس اطاعت وغلامی پر انسان اپنی مکمل زندگی میں کاربند رہے، چاہے اس کا تعلق معاملات سے ہو یا نماز روزہ سے۔

اس زمین پر، ان افراد کی کمی نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے تمام اختیارات کا خود مالک ہوں، یہ زندگی میری ہے، میں چاہے جو کروں، جو من کرے پہنوں، جیسا من چاہے زندگی بسر کروں، اپنے من کو بہلانے کے لیے عیاشی کروں، یا سامان عیش بے حساب لٹاؤں، نہ کسی کو مجھے منع کرنے کا حق ہے اور نہ ہی میں کسی قانون کا ان معاملات میں پابند ہوں اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔

ان خیالات کو ماننے والوں کی کثیر تعداد اس لیے ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کو اپنا کر انسان شتر بے مہار ہو جاتا ہے، وہ اپنی خواہشات کا غلام ہو جاتا ہے، اسی زندگی میں اس کو لطف آنے لگتا ہے، اس کی خواہشات کے سامنے اب کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے، عیش ہی عیش، مستی ہی مستی نظر آنے لگتی ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کیونکہ خواہش نفس اور دنیا کی چکاچوند کے سامنے وہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کو پہچان نہیں پایا ہے، ایک ادنی سی چیز کے موجد پر اسے ناز ہوتا ہے لیکن خود کے خالق سے وہ غافل ہوتا ہے۔ زمین وستاروں کی دوریاں تو وہ جان جاتا ہے لیکن اپنے خالق سے وہ کتنا دور ہوتا جا رہا ہے، اس کا اسے احساس ہی نہیں ہوتا۔ جب اس پیدا کرنے والے کو جانتا ہی نہیں تو اس کے احکامات کو مانتا بھی نہیں۔ اور بہت سے ایسے بھی نادان ہیں جنھیں یہ دعوی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو جانتے ہیں، اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں لیکن ان کی زندگی اس خالق کے بتائے احکامات سے خالی ہوتی ہے۔

اسی لیے پیارے نبی ﷺ کا ہر ایک امتی سورہ الفاتحہ کے شروع ہی میں، خوشی سے جھومتا ہوا، محبت سے شرسار، یہ پکارتا ہوا نظر آتا ہے ''شکر و ثنا اللہ رب العالمین، رحمٰن و رحیم، مالک روز جزا کے لیے ہے''۔۔ جب اس جہاں کی حقیقت سے ایک مومن واقف ہو جاتا ہے، جب وہ اپنے پیدا کرنے والے کو جان جاتا ہے، اور اس پر ایمان لے آتا ہے، تو خوشی کے مارے بے اختیار پکار اٹھتا ہے: تمام تعریفیں اس سارے جہاں کے رب یعنی اس جہاں کے مالک اور آقا کے لیے ہے، میں اپنے پالنے والے، پرورش کرنے والے نگہباں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس کی معرفت نصیب ہوئی، وہی فرماں روا ہے، وہی حاکم ہے، وہی مدبر اور وہی منتظم ہے۔

وہ رحمٰن و رحیم ہے، اس لیے اس نے انسان کو موت آنے تک یہ چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ جو بولنا چاہے بول لے، جتنی من کرے موشگافیاں کر لے، اپنے ہم نواؤں سے جتنی داد و تحسین سمیٹنا ہے سمیٹ لے، تحقیق و ترقی کے نام پر جتنی مذہب سے بیزاری ظاہر کرنا ہو کر لے، لیکن یاد رکھے ادھر سانس نے چلنا چھوڑا اور ادھر حساب کتاب شروع۔ اور پھر تم مانتے رہے ہو یا نہ مانتے رہے ہو، باعمل رہے ہو یا نہ رہے ہو، بالآخر اس پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے، جو اس دن تمہارے اعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اس کا حکم فوراً نافذ کر دیا جائے گا۔

ان ہی مذہب بیزار لوگوں سے قرآن پوچھتا ہے: ''(اے نبی) ان سے کہو کبھی تم نے یہ سوچا کہ اللہ خواہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے، کافروں (انکار کرنے والے، نافرمانوں) کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا؟''

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۹)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اورعظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۲۴) لأول الحشر کا ترجمہ

یہ لفظ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل ایک مقام پر آیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ أَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکِتَابِ مِن دِیَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۔(الحشر:2)

مفسرین ومترجمین کو اس کا مفہوم متعین کرنے میں الجھن پیش آئی ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ترجمے دیکھ کر کیا جاسکتا ہے:

''وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے ہی حملے میں اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا'' (سید مودودی، ''پہلے ہی حملے'' اس وقت درست ہوتا جب اول حشر یا الحشر الاول ہوتا، اس کی بجائے ''حملہ کے آغاز ہی میں'' درست ترجمہ ہوسکتا ہے)

''وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے'' (احمد رضا خان، ''پہلے حشر'' اول الحشر کا ترجمہ نہیں ہوگا)

''وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلا لشکر جمع کرنے کے وقت نکال دیا'' (احمد علی، ''پہلا لشکر'' اس وقت درست ہوتا جب الحشر الاول ہوتا)

''وہی ہے جس نے نکالا ان لوگوں کو جنھوں اہل کتاب میں سے کفر کیا، ان کے گھروں سے حشر اول کے لیے'' (امین احسن اصلاحی، لام کو برائے تعلیل ماننے سے ترجمہ کمزور ہوگیا، اول الحشر کا ترجمہ ''حشر اول'' یعنی موصوف وصفت والا ترجمہ کرنا بھی غلط ہے)

''وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نظیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا'' (اشرف علی تھانوی، یہ ترجمہ لغت کے اعتبار سے درست نہیں ہے)

مذکورہ بالا ترجموں میں کچھ لوگوں نے لام کو برائے تعلیل مانا ہے، جس سے انہیں صحیح ترجمے تک پہونچنے میں دشواری ہوئی ہے، یہاں لام کو تعلیل کے بجائے ظرف وتوقیت کے لئے مان لیں تو مفہوم تک پہونچنا آسان ہوجاتا ہے۔

ایک دوسری غلطی یہ ہوئی کہ اول الحشر جو مضاف اور مضاف الیہ ہے، اس کا ترجمہ انہوں نے موصوف وصفت والا کیا ہے، یعنی پہلا حشر۔ اس مفہوم کے لیے یا تو الحشر الاول ہوتا، یا پھر مضاف اور مضاف الیہ ہوتا مگر اول حشر (حشر نکرہ) ہوتا۔ اول الحشر والی ترکیب کا مفہوم ہے حشر کے آغاز میں۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے ہے کہ لاول الحشر میں لام ظرف کے لیے ہے نہ کہ تعلیل کے

لیے، اور اول الحشر کا مطلب ہے لشکر کا جماوڑا ہوتے ہی۔ اس کے مطابق ترجمہ ہوگا: ''وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو لشکر کا جماوڑا ہوتے ہی اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا''

مطلب یہ ہوا کہ ان کے ساتھ جنگ لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی، جیسے ہی وہ جنگ لڑنے کے لیے جمع ہوئے، اللہ نے انہیں نکال دئے جانے کا فیصلہ نافذ کردیا۔ اس مفہوم کو اختیار کرنے سے کلام کی معنویت بہت بڑھ جاتی ہے، اللہ کی قدرت کا بھرپور مشاہدہ ہوتا ہے کہ انہوں نے حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع کیا مگر اللہ نے جماوڑے کی ابتداہی میں ان کے دلوں میں ہیبت ڈال کر انہیں نکلنے پر مجبور کردیا۔ اس سے اللہ کے فیصلے کے سامنے اللہ کے دشمنوں کی بے بسی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے، اور الفاظ کا پورا پورا حق بھی ادا ہوجاتا ہے۔

(۱۲۵) قعید کا ترجمہ

قعید کا لفظ قرآن مجید میں ایک جگہ مندرجہ ذیل آیت میں آیا ہے:

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ۔ (ق:17)

قعید قعد سے مشتق ہے، قاعد بھی اسی سے مشتق ہے، قاعد کا لفظ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا مفہوم ''بیٹھا ہوا'' ہے، سوال یہ ہے کہ کیا قاعد اور قعید کے مفہوم میں کوئی فرق ہے، اردو تراجم کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام طور سے لوگوں نے قعید کا ترجمہ ''بیٹھے'' کیا ہے۔

''(اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں'' (سید مودودی)

''اور جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں'' (احمد رضا خان)

''جب کہ ضبط کرنے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ضبط کرتے جاتے ہیں'' (احمد علی)

''جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں، لکھ لیتے ہیں'' (فتح محمد جالندھری)

''جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

''(دھیان رکھو) جبکہ دو اخذ کرنے والے اخذ کرتے رہتے ہیں، ایک دائیں بیٹھا اور دوسرا بائیں بیٹھا'' (امین احسن اصلاحی)

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ قاعد کے بجائے قعید کیوں کہا، اور کیا فرشتوں کے لیے بھی بیٹھنے کا لفظ استعمال ہوتا ہے؟

عربی لغات اور تفاسیر دیکھیں تو قعید کے مختلف مفہوم سامنے آتے ہیں، البتہ علامہ ابن عاشور نے اس لفظ کا بہت مناسب مفہوم ذکر کیا ہے، وَالقَعِيد مُستَعَارٌ لِلمُلَازِمِ الَّذِى لَا يَنفَكُّ عَنهُ كَمَا أَطلَقُوا القَعِيدَ عَلَى الحَافِظِ لِأَنَّه يُلَازِمُ الشّىء المُوكّلَ بِحِفظه. (التحرير والتنوير: 26/ 302) دوسری جگہ مزید وضاحت کرتے ہیں:

وَالقُعُود كِنَايَةٌ عَنِ المُلَازَمَةِ، كَمَا فِى قَول النَّابِغَةِ: قُعُودًا لَدَى أَبيَاتِهِم يَثمِدُونَهُم ... رَمى اللّٰهُ فِى تِلكَ الأَكُفِّ الكَوَانِعِ

اَى مُلَازِمِينَ أبياتا لِغَيرِهِمُ يرد الجُلُوسَ، اِذ قَد يَكُونُونَ يَسأَلُونَ وَاقِفِينَ، وَمَاشِينَ، وَوَجهُ الكِنَايَةِ هُوَأَنَّ مُلَازَمَةَ المَكَانِ تَستَلزِمُ الإِعيَاءَ مِنَ الوُقُوفِ عِندَهُ، فَيَقعُدُ المُلَازِمُ طَلَبًا لِلرَّاحَةِ، وَمِن ثَمَّ أُطلِقَ عَلَى المُستَجِيرِ اسمُ القَعِيدِ، وَمِن اِطلَاقِ القَعِيدِ عَلَى المُلَازِمِ قَولُهُ تَعَالَى: إِذ يَتَلَقَّى المُتَلَقِّيَانِ عَنِ اليَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ۔ (ق:17) أى مُلَازِمٍ اِذِ المَلَكُ لَا يُوصَفُ بِقُعُودٍ وَلَاقِيامٍ. (التحرير والتنوير: 47/8)

ابن عاشور کی توجیہ کے مطابق ترجمہ ہوگا ''ہر وقت ساتھ لگے ہوئے''۔

علامہ ابوحیان نے بھی ایک رائے یہ ذکر کی ہے کہ قاعد کے مقابلے میں قعید میں مبالغہ پایا جاتا ہے، جس طرح عالم کے مقابلہ میں علیم میں مبالغہ ہے۔ وأنُ يكونَ عَدلٌ مِنُ فَاعِلٍ اِلى فَعِيلٍ لِلمُبَالَغَةِ، كَعَلِيمٍ. (البحر المحيط فى التفسير: 9/ 534)

ایک بات تو یہ ہے کہ فاعل کے مقابلے میں فعیل میں مبالغہ ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ فعیل میں دوام واستمرار کا مفہوم بھی نمایاں طور سے پایا جاتا ہے، اس کے پیش نظر ابن عاشور کی رائے وزنی ہے، مولانا امانت اللہ اصلاحی قعید کا ترجمہ بیٹھے ہوئے کے بجائے ڈٹے ہوئے کرتے ہیں:

''عین اس وقت جبکہ دو وصول کرنے والے وصول کرتے رہتے ہیں، ایک دائیں اور ایک بائیں ڈٹے ہوئے''

(۱۲۶) اخذ عزیز مقتدر کا ترجمہ

آیت کے مندرجہ ذیل ٹکڑے میں فَأَخَذنَاهُم أَخذَ عَزِيزٍ مُّقتَدِرٍ کا ترجمہ توجہ طلب ہے:

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ۔(القمر:42)

مترجمین نے اس کا ترجمہ مختلف طرح سے کیا ہے:

''انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک قوی اور غالب شخص پکڑ لیتا ہے''(فتح محمد جالندھری)

''مگر انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا آخر کو ہم نے انہیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے''(سید مودودی)

''انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں پس ہم نے انہیں بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا''(محمد جوناگڑھی)

مذکورہ بالا ترجموں میں ایک کمزوری ہے، ان ترجموں سے لگتا ہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی عزیز اور مقتدر ہے جو پکڑتا ہے، اور گویا اللہ اس کی طرح پکڑتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اور نہ عزیز (زبردست) ہے اور نہ مقتدر (قدرت والا) ہے، کہ جس کی پکڑ سے اللہ کی پکڑ کو تشبیہ دی جائے۔ درست بات یہ ہے کہ یہاں اللہ کی پکڑ کی صفت اور نوعیت بیان کی گئی ہے کہ اس نے پکڑا زبردست اور قدرت والے کی پکڑ۔ ایک ضعف اور کمزوری والے کی پکڑ ہوتی ہے، جس سے چھوٹ جانے کا امکان رہتا ہے، اور ایک عزیز اور مقتدر کی پکڑ ہوتی ہے کہ جس سے چھوٹنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ مندرجہ ذیل ترجمہ اس مفہوم کو صحیح طور سے ادا کر رہا ہے:

''جھٹلایا انہوں نے نشانیوں ہماری کو سب کو پس پکڑا ہم نے ان کو پکڑنا غالب قدرت والے کا'' (شاہ رفیع الدین)

ذیل میں درج دوسرے مزید ترجموں میں مذکورہ بالا کمزوری تو نہیں ہے، البتہ عزیز مقتدر کے الفاظ کی مکمل اور صحیح ترجمانی نہیں ہو پا رہی ہے:

''انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پھر ہم نے انہیں بڑی زبردست پکڑ سے پکڑا''(احمد علی، عزیز اور مقتدر پکڑ کی صفت نہیں پکڑنے والے کی صفت ہے)

''جھٹلائیں ہماری نشانیاں ساری پھر پکڑی ہم نے ان کو پکڑ زبردست کی قابو میں لے کر''(شاہ عبدالقادر، مقتدر کا ترجمہ ''قابو میں لے کر'' درست نہیں ہے)

''سو ہم نے ان کو زبردست قدرت کا پکڑنا پکڑا'' (اشرف علی تھانوی، عزیز مقتدر کا ترجمہ

''زبردست قدرت'' کیا ہے جو درست نہیں ہے)

(۱۲۷) تواصی کا ترجمہ

تواصوا کا لفظ قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے، سورہ بلد اور سورہ عصر میں جملہ خبریہ ہے جب کہ سورہ ذاریات میں جملہ استفہامیہ ہے۔ اول الذکر دونوں مقامات پر سب نے ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے، اور کوئی قابل ذکر اختلاف نظر نہیں آتا ہے۔ البتہ مذکورہ ذیل تیسرے مقام پر ترجمے مختلف طرح سے ہوئے ہیں۔

أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ۔ (الذاریات:53)

''کیا ایک دوسرے کو نصیحت کرتے آئے ہیں ساتھ اس کے، بلکہ وہ ایک قوم ہیں سرکش'' (شاہ رفیع الدین)

''کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں'' (محمد جوناگڑھی)

''کیا یہ کہ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ شریر لوگ ہیں'' (فتح محمد جالندھری)

''کیا آپس میں ایک دوسرے کو یہ بات کہہ مرے ہیں بلکہ وہ سرکش لوگ ہیں'' (احمد رضا خان)

''کیا ایک دوسرے سے یہی کہ مرے تھے نہیں بلکہ وہ خود ہی سرکش ہیں'' (احمد علی)

''کیا یہی کہہ مرے ایک دوسرے کو، کوئی نہیں، پر یہ لوگ شریر ہیں'' (شاہ عبدالقادر)

''کیا اِن سب نے آپس میں اِس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں'' (سید مودودی)

پہلے تینوں ترجموں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کی بات ہے، اس کے بعد کے تینوں ترجموں میں ایک دوسرے کو کہہ مرنے کی بات ہے، اور آخری ترجمے میں سمجھوتہ کرنے کی بات ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تواصی میں مرنے کا مفہوم شامل نہیں ہے، سورہ بلد اور سورہ عصر میں تواصوا آیا ہے اور مرنے کے مفہوم کے بغیر آیا ہے۔ اس لیے ''کہہ مرے'' ترجمہ کرنا محل نظر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آخرالذکر ترجمہ میں تواصوا کا ترجمہ ''سمجھوتہ کرنا'' کیا گیا ہے، لغت کے لحاظ سے یہ درست نہیں ہے، تواصی کا مطلب ایک دوسرے کو نصیحت کرنا ہے، سمجھوتہ کرنا اس لفظ کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفہیم کو بعض مفسرین کے تفسیری بیان سے غلط فہمی ہوگئی۔

(۱۲۸) سرر مصفوفة کا ترجمہ

مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

مُتَّكِئِيْنَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ۔ (الطّور:20)

''تختوں پر تکیہ لگائے جو قطار لگا کر بچھے ہیں'' (احمد رضا خان)

''تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے جو قطاروں میں بچھے ہوئے ہیں'' (احمد علی)

''تختوں پر جو برابر برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے'' (فتح محمد جالندھری)

''برابر بچھے ہوئے شاندار تختے پر تکیے لگائے ہوئے'' (محمد جوناگڑھی)

''وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے'' (سید مودودی)

آخر الذکر ترجمے میں ''آمنے سامنے'' اضافہ ہے، مصفوفہ صف سے ہے اور اس کا مطلب 'قطار میں بچھے ہوئے'' ہوتا ہے، لگتا ہے مترجم کے ذہن میں (مُتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِيْنَ) (الواقعۃ: 16) والی آیت تھی، جس کی وجہ سے ترجمہ میں وہ اضافہ ہوگیا۔

(۱۲۹) نظر المغشی علیه من الموت کا ترجمہ

مندرجہ ذیل دو قرآنی مقامات کے بعض ترجمے توجہ طلب ہیں:

(ا) رَأَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ (محمد: 20)

''مگر جب ایک محکم سورت نازل کر دی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو'' (سید مودودی، اس ترجمہ میں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ اذا کے ہوتے ہوئے ترجمہ ماضی کا کیا گیا ہے، حالانکہ اذا فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اسے حال یا مستقبل کے مفہوم میں بدل دیتا ہے)

''سو جس وقت کوئی صاف (مضمون) کی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو'' (احمد علی)

مذکورہ بالا ترجموں میں ایک توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ ینظرون الیك نظر المغشي علیه من الموت کا ترجمہ کیا گیا: ''آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو'' یہ

عبارت کا صحیح اور واضح ترجمہ نہیں ہے، اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے کی یہ کیفیت ہے یا جسے وہ دیکھ رہے ہیں اس کی یہ کیفیت ہے، ترجمہ میں یہ بالکل واضح ہونا چاہئے کہ دیکھنے والوں کی یہ کیفیت بتائی جارہی ہے۔

اس پہلو سے مندرجہ ذیل ترجمے زیادہ مناسب ہیں، ان میں عبارت کا حق بھی ادا ہورہا ہے اور وضاحت کا تقاضا بھی پورا ہورہا ہے۔

''پھر جب اتری ایک سورۃ جانچی ہوئی، اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑا مرنے کے وقت'' (شاہ عبدالقادر، اس ترجمہ میں زیر بحث غلطی تو نہیں ہے لیکن وہ غلطی یہاں بھی موجود ہے جس کا اوپر کے ایک ترجمے میں ذکر کیا گیا، اور وہ یہ کہ اذا کے ہوتے ہوئے ترجمہ ماضی کا کیا گیا، حالانکہ اذا فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اسے حال یا مستقبل کے مفہوم میں بدل دیتا ہے)

''پھر جب کوئی پختہ سورت اتاری گئی اور اس میں جہاد کا حکم فرمایا گیا تو تم دیکھو گے انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ تمہاری طرف اس کا دیکھنا دیکھتے ہیں جس پر مُرونی چھائی ہو'' (احمد رضا خان، یہاں بھی وہ غلطی ہے)

''پس جب اتاری جاوے گی سورت ثابت اور ذکر کیا جاوے بیچ اس کے لڑائی کا، دیکھے گا تو ان لوگوں کو، بیچ دلوں ان کے بیماری ہے، دیکھتے ہیں تیری طرف، جیسا دیکھتا ہے وہ شخص کہ بیہوشی آئی ہوا اوپر اس کے موت سے'' (شاہ رفیع الدین)

''پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو'' (محمد جوناگڑھی)

آخر الذکر دونوں ترجموں میں زیر بحث دونوں غلطیاں نہیں ہیں۔

(۲) فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ (الاحزاب:19)

اس آیت کے ترجموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کے یہاں نظر المغشي عليه من الموت کی طرح کالذي يغشى عليه من الموت کے ترجمے میں بھی وہی خامی باقی رہ گئی، چند

مثالیں ملاحظہ ہوں:

''پھر جب آوے ڈر کا وقت تو تو دیکھے تکتے ہیں تیری طرف ٹکر ٹکر کرتی ہیں آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آوے بیہوشی موت کی'' (شاہ عبدالقادر)

''خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو'' (سید مودودی)

''پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انہیں دیکھو گے تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر موت چھائی ہو'' (احمد رضا خان)

''پھر جب ڈر کا وقت آجائے تو تُو انھیں دیکھے گا کہ تیری طرف دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں پھرتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی آئے'' (احمد علی)

''پھر جب ڈر (کا وقت) آئے تو تم ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں (اور) اُن کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آرہی ہو'' (فتح محمد جالندھری)

مذکورہ ذیل ترجمہ مناسب ہے، اور اس میں یہ خامی نہیں ہے:

''پھر جب خوف ودہشت کا موقعہ آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی انکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو'' (محمد جوناگڑھی)

دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ اوپر والی آیت کے ترجمہ میں بعض لوگوں نے اذا کے ہوتے ہوئے بھی پورے جملہ کا زمانہ ماضی سے ترجمہ کیا، لیکن انہی حضرات نے اس دوسری آیت میں اذا کی رعایت کی ہے، اور درست طور سے حال یا مستقبل کا ترجمہ کیا ہے۔

افادات جلیل احسن ندویؒ (۶)

ظفر احمد الاثری، لندن، ای میل:asarizafar@hotmail.com

سورہ ھود ... قسط دوم ....(۱)

(آیت۱۳) اگر نبی اسے گڑھ کر پیش کرتا ہے تو تم بھی اسی طرح کی سورتیں گڑھ کر پیش کر دو، اگر یہ بات صحیح ہے کہ نبی تمہیں یہ گڑھ کر پیش کرتا ہے اور تم اپنے اس فکر میں سچے اور صحیح ہو۔

(آیت۱۴)[فاعلموا] اگر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکیں اور اگر وہ دس سورتوں کا مطالبہ پورا نہ کر سکیں تو یقین کر لو یہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے یعنی تمہارے علم میں مزید اضافہ ہونا چاہیے، اس میں بڑھوتری ہونا چاہیے۔

[بعلم الله] علم الٰہی کے ساتھ اتارا گیا ہے اور ''لا الہ'' کی دعوت صحیح ہے۔

[فهل أنتم مسلمون] یعنی یہ پروپیگنڈے جو یہود ونصاری کی طرف سے ہو رہے ہیں اس سے متأثر نہ ہو، ذرا بھی طوفان مخالفت میں نہ ڈگمگاؤ، یہ آیت مومنین کے حق میں تثبیت کے لیے آئی ہیں، جبکہ اس آیت میں خطاب مومنین سے مانا جائے۔ ان کی مخالفت سے متشکک نہ ہو جانا، یہ چیز تمہارے دین کے خلاف ہے بلکہ ان کی مخالفت سے تمہارے علم میں اضافہ ہی ہونا چاہیے۔ اس کو امام شاہ ولی اللہؒ اختیار کرتے ہیں، لیکن امام فراہیؒ اور مودودیؒ اس آیت میں خطاب مشرکین مکہ کو مانتے ہیں یعنی یہ کہ اگر مشرکین تمہارے کام کو بروئے کار نہ لاسکیں تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ یہ منزل من اللہ ہے، جب ایسا ہے تو کیا اب بھی ایمان نہیں لاتے۔

اوپر کی (آیت۱۴) میں بیان ہوا کہ یہ لوگ اس کتاب کو مفتری قرار دیتے ہیں اسی بنیاد پر ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اس طرح کی دس سورتیں تم بھی گڑھ کر پیش کرو، اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو تمہارے علم اضافہ ہونا چاہیے اور یہ کہ جس نقطہ کی طرف دعوت دے رہا ہے وہ ''لا الہ'' ہے۔ اور اس کے بعد کہا جا رہا ہے'' اسلام پر جمو'' اور مسلمانوں کو بتلایا جا رہا ہے، مخالفین کی جو مخالفت ہو رہی ہے وہ تمہارے یکسوئی میں فرق

نہ پیدا کر سکے، تمہارے ایمان ویقین میں اضافہ ہونا چاہیے۔اس دین پر جمے رہو جو کچھ تم پر اتارا جا رہا ہے اس بات سے بچو کہ تم پر ان کی باتوں کا اثر ہو۔ یہ تثبیت کی آیت ہے۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو تمہارا ایمان بڑھ جانا چاہیے اور ان کی مخالفت سے متشکک نہیں ہونا چاہیے یہ تمہارے دین کے خلاف ہے۔

(آیت ۱۵۔۱۶) یہ مخالفت ان کی جانب سے کیوں ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیات دنیا میں پھنس کر رہ گئے ہیں، قرآن کی دعوت سے ناواقف ہیں اس پر کان نہیں دھرتے، پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کافرین کے ہاں باوجود یہ کہ قرآن کی دعوت کو جھٹلا رہے ہیں اور اصل راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، پھر بھی دولت کی ریل پیل ہے، دوسری طرف مومنین جو صراط مستقیم پر قائم ہیں وہ اس سے محروم ہیں، ان کی زندگی تنگی سے گزر رہی ہے، خستہ حالی کی صورتحال ہے، ہر چیز سے محروم ہیں تو اس کی وجہ بھی اس آیت میں بتلائی جا رہی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا جو جس کی خاطر مرتا ہے ہم اسے دیتے ہیں اور پھر اسی دنیا میں ہم انہیں ضرور بالضرور ان کے اعمال کا بدلہ دے دیں گے۔

(آیت ۱۷)[بيّنة] فطری نور، [تـلا ، يتلو] پیچھے آنا، [شاهد] سے مراد قرآن ہے۔ [من] جو صلحاء اہل کتاب میں سے (یہود و نصاری) فطری راہ پر قائم تھے، اس کے بعد جب قرآن آیا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب آچکی ہے جن کی خصوصیات باہم دیگر یکساں ہیں، موسوی کتاب جس بات کی دعوت دے رہی ہے اس دعوت کی شہادت یہ کتاب دے رہی ہے، تو ایسے لوگ ان کی طرح ہوں گے جنھوں نے اپنا نور فطرت کھو دیا ہے، اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ جو فطری راہ پر کھڑے تھے اور اس بات کے انتظار میں تھے کہ وہ نور آئے اور ہماری رہنمائی کرے چنانچہ اچانک یہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور ٹکراتے ہی انھوں نے اپنے دل کی آواز سمجھا اور اسے قبول کیا، پھر انھوں نے یہ سوچا کہ یہی بات موسوی کتاب میں موجود ہے۔ [من الاحـزاب] یہود و نصاری میں سے جو لوگ دعوت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں ان کا ہم جہنم ٹھکانہ بنائیں گے۔

مولانا مودودیؒ [آیت ۱۷] کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یعنی جس کو خود اپنے وجود میں اور زمین و آسمان کی ساخت میں اور نظم ونسق میں اس امر کی کھلی شہادت مل رہی تھی کہ اس دنیا کا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم وفرمانروا صرف ایک خدا ہے، اور پھر انہی شہادتوں کو دیکھ کر جس کا دل یہ گواہی بھی پہلے ہی سے دے رہا تھا کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ضرور ہونی چاہیے جس میں انسان اپنے خدا کو اپنے اعمال کا حساب دے اور اپنے کیے کی جزا و سزا پائے۔ [و يتلوه شاهد] یعنی قرآن جس نے آکر

اس فطری وعقلی شہادت کی تائید کی اور اسے بتایا کہ فی الواقع حقیقت وہی ہے جس کا نشان آفاق والنفس کے آثار میں تو نے پایا ہے۔(۲)

(آیت ۱۸) منکرین قرآن کا انجام بیان ہو رہا ہے، انھوں نے افتراء علی اللہ کہا ہے یعنی ہمارا دین شرک ہے، اور یہی دین ابراہیمی ہے، یہ خدا کی طرف انھوں نے غلط بات منسوب کی ہے اور اس کی گواہی نبی اور مومنین دیں گے۔ اس دن یعنی قیامت کے دن یہ لوگ ہمیشہ ہمیش کے لیے رحمت الٰہی سے محروم ہو جائیں گے۔

(آیت ۱۹) ظالمین سے مراد یہی لوگ ہیں، یعنی مشرکین، انھیں بتلایا جا رہا ہے۔(آیت ۲۰) دنیوی عذاب کا آنا ضروری ہے اور اس سے یہ لوگ بھاگ کر نہیں جا سکتے اور ان کے لیے دوسرے لوگ کچھ نہیں کر سکتے، انھیں دوبارہ عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ دعوت کی دشمنی میں قرآن کی دعوت کو سنتے نہیں تھے یعنی بہرے اور اندھے تھے اور یقیناً قیامت کے دن دیوالیہ ہوں گے، اب تک منکرین دعوت کا حال بیان ہو رہا تھا اس کے بعد مومنین کا حال بیان ہو رہا ہے۔ آیتوں میں مومنین کا تذکرہ ہے۔

(آیت ۲۳)[اخبتوا]، مال الی اللہ، اسی کو پکڑے رہو اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

(آیت ۲۴) جس طرح اندھے اور دیکھنے والے اس دنیا میں برابر نہیں ہو سکتے اسی طریقے سے اس دعوت سے کان بند کرنے والے اور سننے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح ایک اندھا ہو اور اس کے ساتھ بہرا بھی ہو تو وہ ہر طرف ٹھوکریں کھاتا رہے گا، آخر وہ کسی نہ کسی دن کسی ہلاکت کی نذر ہو جائے گا۔ یہی حال اس دعوت کے انکار کرنے والوں کا ہے جو اپنے کان اور آنکھ کو بند کیے ہوئے ہیں۔ دونوں کا انجام مختلف ہوگا۔[مثلاً] حالت کے اعتبار سے، دونوں کی حالت مختلف ہوگی۔

ایسا ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے کہ ایک گروہ اعمیٰ اور اصم ہے اور دوسرا گروہ سمیع وبصیر ہے۔ تو کیا تم توحید کی باتیں نہیں مانتے۔ یہ انذار کی آیتیں ہیں۔

(آیت ۲۵) اب تاریخی استدلال پیش کیا جا رہا ہے [نذیر] وہ شخص جو قوم کا خیرخواہ ہوتا ہے اور جس کی نگاہ بہت تیز ہو جاتی ہے اور وہ کسی اونچی جگہ پر ہوتا ہے، وہ دیکھتا رہتا ہے کہ دشمن حملہ آور تو نہیں ہونے والا ہے، اگر دشمن کو دیکھ لیتا ہے تو وہ فوراً قوم کو باخبر کرتا ہے، دامن کوہ میں ایک مضبوط سانڈھنی بندھی ہوتی ہے اس پر سوار ہو کر قوم کو بتلاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ یاصباحاہ، یاصباحاہ، (متنبہ اور ہوشیار ہو جانے کے لیے یہ کلمات دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت صبح صبح کہے جاتے تھے چونکہ دشمن صبح ہی کے

وقت حملہ کرتا ہے جو غفلت کا وقت ہوتا ہے)۔ ہوشیار ہو جاؤ، لوگ یہ سنتے ہی ہتھیار سے مسلح ہو جاتے ہیں اور دشمن کے مقابلے میں آ جاتے ہیں اور اس نذیر کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس نے قوم کے ساتھ کبھی بھی غداری نہ کی ہو۔ اسی معنی میں ومفہوم میں نبی کو نذیر کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ ایک کھلی ہوئی حقیقت سے آگاہ کر رہے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں، اگر قوم اس دعوت کو مان کر نہیں دیتی تو اس کا انجام بہت ہی دردناک ہوگا۔

(آیت ۲۷) تم اس کام کے لیے منتخب نہیں کیے جاؤ گے، نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے لیکن تم ہمارے جیسے انسان ہو۔ [نری] تمہارے متبعین تو ایسے ہیں جو تم پر ایمان بغیر سوچے سمجھے لے آئے ہیں اور معاشرے کے پست لوگ ہیں۔

[نری] سمجھنے کے معنی میں ہے۔

[أراذلنا بادي الرأي] اس کی دو ترکیبیں ہیں: (۱) مفعول مطلق نری کا، ای اتباعا بادیا فی رأیھم ، ظاہری سرسری اتباع کیا ہے (۲) حال ہو أی بـادین رأیھم یہ لوگ سطحی قسم کے لوگ ہیں، دراصل تم نے زوردار انداز میں بات کہہ دی تو انھوں نے فوراً قبول کر لیا یعنی پست رائے رکھنے والے لوگ ہیں۔ اصل میں یہ لوگ ان کو نوح کی نگاہ میں حقیر بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ ان کی فکری سطح بہت کم ہے۔

و قال الزمخشری: ظرف ہے، أی فی بادی الرأی۔

(آیت ۲۸) انبیاء کرام علیہم السلام جن کو بعد میں نبوت کے منصب پر اللہ تعالی سرفراز کرتا ہے تو ان کی فطری رہنمائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ قوم کے میلوں اور دوسری فحش چیزوں میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ ان سے الگ تھلگ رہتے ہیں، ان کی بعثت مشرک قوم میں ہوتی ہے لیکن وہ ان کے شرک میں شریک نہیں ہوتے۔ [عمیت] تم اسے نہیں مان رہے ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ نوحؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مجھے فطری رہنمائی سے نوازا اور پھر نبوت سے سرفراز کیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں اپنا راستہ ترک نہیں کر سکتا، اگر تمہیں اس دین کے بارے میں شک وشبہہ ہے اور اس کا انکار کرتے ہو تو اس کی وجہ سے میں اپنی راہ سے نہیں ہٹ سکتا اور نہ توحید کی راہ کو چھوڑ سکتا ہوں۔

[أنلزمکموھا] ہم کیا زبردستی ایمان میں داخل کر سکتے ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، جب تک تم خود اس کی طرف مائل نہ ہو۔ میں خود ہی رہنمائی نہیں کر سکتا۔

(آیت ۲۹) اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ہی طرح کا آدمی ہے، اس لیے یہ اقتدار چاہتا ہے اور انفاق کی دعوت دیتا ہے اس لیے وہ کہتے تھے کہ یہ دولت کا طالب ہے ---تو نوحؑ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں، میں دولت کا طالب نہیں۔

[و ما انا بطارد الذین آمنوا] ان کو میں اپنی نگاہوں سے ذلیل کردوں، ایسا نہیں ہوسکتا۔

[انھم---ملقون] یہ اپنے خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے اور اگر ہم انہیں متروک قرار دیتے ہیں تو ہماری گرفت ہوگی۔

[لکنی] جن کو تم ''أراذل'' کہتے ہو، جن کے بارے میں تمہارا یہ دعوی کہ یہ لوگ سطحی دماغ والے ہیں اور ان کے اندر قوت رائے نہیں تو یہ بات صحیح نہیں، یہ قوم کے مکھن ہیں، ہیرا و لعل ہیں، جن کو تم ہماری نگاہوں میں ذلیل کرنا چاہتے ہو وہ اچھے لوگ ہیں، تم ان کی قدر و قیمت سے ناواقف ہو یا پھر تم جذبات کی رو میں بہہ رہے ہو اسی لیے تم اس طرح کی باتیں کررہے ہو۔ انہیں ہم اور ہمارا رب جانتا ہے۔

(آیت ۳۱) ''وما نراك الا بشرا '' کا جواب دیا جارہا ہے اور قیامت کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ (بل أقول انما أنا بشر یوحی الی)

[للذین] لام سبب [والله اعلم] وہ یہ کہتے تھے کہ سطحی نظر سے ایمان لائے ہیں، اس لیے اجر نہیں پائیں گے اس کا جواب اس میں موجود ہے کہ ان کے دلوں میں کیا خلوص موجود ہے ہم اس سے واقف ہیں، یہ نہایت سچے اور پکے لوگ ہیں۔

[اذاً] اگر میں انہیں بھگادوں اور انہیں اپنی نگاہوں میں ذلیل ٹھہرادوں تو یہ ایک ظلم ہوگا۔

[خزائن] تصرفات کی کنجیاں، اس میں قدرت کی نفی ہے [ولا أعلم] اس میں علم کی نفی ہے، وہی ذات ہے جو ان دونوں صفتوں سے متصف ہے۔

[آیت ۳۲] اوپر اس کا جواب آیا (آیت ۳۳) وہی لائے گا، اس سے بھاگ نہیں سکتے (آیت ۳۴) کتنا ہی میں خیر خواہی کروں لیکن اگر تمہارا میلان نہیں تو یہ تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہیں، تم خود ضلالت کی طرف جانا چاہتے ہو۔ یہ برتری سب بے کار ہے جب تک تم اس کی طرف مائل نہ ہو۔

[ھو ربکم] وہ خود ان سے نبٹ لے گا۔ اسی کے پاس جا کر حساب کتاب کرنا ہے۔ اور وہی قیامت کا دن لائے گا۔

(آیت ۳۵) اب بیچ میں مشرکین سے خطاب کیا جارہا ہے کہ اگر میں اسے گڑھ کر پیش کررہا ہوں تو اس کا وبال میرے سر ہے۔ نوحؑ کی دعوت کا حصہ پیش کیا جارہا ہے جو نبی ﷺ کی دعوت کا حصہ ہے، بنیادی احکام میں کوئی فرق نہیں ہے، دعوت سب انبیاء کی یکساں ہے، اس لیے بیچ میں یہ ٹکڑا رکھ دیا گیا ہے۔

(آیت ۳۶) [انه] صورتحال یہ ہے کہ

[قد آمن] جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے وہ ستائیں گے تو آپ غم نہ کریں۔

(آیت ۳۷) [بأعيننا] جیسے جیسے ہمارے فرشتے کہیں گے ان ہی کے مطابق سفینۂ نجات تیار کرو۔ [لا تخاطبنی] کشتی ایسی جگہ بن رہی ہے جہاں سے سمندر ۹ سو میل فاصلے پر ہے۔ قوم نوح عراق کے جنوبی حصے میں رہتی تھی اس لیے انھیں مذاق کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس بات کا امکان تھا کہ نوحؑ اپنی قوم کے لیے عذاب الٰہی کے وقت سفارش نہ کرنا شروع کر دیں، اسی لیے پہلے ہی سے اس کی کاٹ کی جارہی ہے۔

(آیت ۳۸) [يصنع الفلك أي أصبح يصنع الفلك] تم مذاق کرو، ابھی ابھی واضح ہو جائے گا کہ صحیح راہ پر کون تھا۔

[عذاب مقيم] ٹلنے والا عذاب نہیں ہوگا۔

(آیت ۴۰) [و فار التنور] زمین کے تمام حصے میں ابال شروع ہو گیا۔ [من كل زوجين] ضروریات کی تمام چیزیں لے لو، نوع انسانی کو جو ضرورت پڑ سکتی ہے، انہیں اپنے ساتھ رکھ لو۔

[الا من سبق عليه القول] بیوی قریب ترین ''اہل'' میں سے ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اسے متروک سمجھو۔ [القول] قانون اضلال یا عذاب الٰہی۔

(آیت ۴۱) ایسے وقت وطن عزیز ہوتا ہے، اس لیے مومنین گھبرائے تو کہا جارہا ہے کہ اس قیامت خیز طوفان میں کشتی اسی طرح چلے گی جس طرح بادبانی ہوا میں کشتی موافق ہوا میں چلتی ہے۔، اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ساتھ خدا ہے۔ ''جرت السفينة'' اس حالت کا نام ہے جب ہوا نہایت معتدل ہو اور کشتی خوب مزے میں چل رہی ہو، وہ غفور ورحیم ہے، وہ ہمیں ڈھانپے گا، اس طوفان میں ہمیں بچائے گا اور منزل تک پہنچائے گا۔ ایسا اس لیے کرے گا کہ وہ رحیم ہے، وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے اور وہ رحمت کا منبع ہے۔ (آیت ۴۲) اس طوفان خیز ہچکولے میں سکون کے ساتھ کشتی جاری تھی، اس پر ہچکولے کا ذرہ برابر اثر نہیں تھا۔

[مــعــزل] اس کا دو مطلب ہوسکتا ہے (۱) ایک لگ تھلگ جگہ پر تھا (۲) دوسرا یہ کہ وہ نوحؑ کے ساتھ نہیں تھا بلکہ اس کی روِش منافق جیسی تھی۔ نہ ان کے ساتھ تھا اور نہ قوم کے ساتھ۔ [معنا] حال واقع ہوا ہے۔

(آیت ۴۳) من رحم فهم معصومون ای مؤمنین، **شفاعت کوئی نہیں کرسکتا**۔ [اقلع عن] باز آجانا، [السماء] بادل، [غاض] أي غار، تہ نشین ہوجانا [جودی] یہ پہاڑ کا نام ہے جو شام کی سرحد پر واقع ہے۔

(آیت ۴۶) حضرت نوحؑ کے بیٹے کنعان کا معاملہ بین بین تھا اس لیے نوحؑ اس کے لیے دعا کر رہے ہیں، اچھے طریقے سے نہیں معلوم کہ یہ کفر کی حالت میں ہے یا ایمان اختیار کیے ہوئے ہے۔ اللہ نے اہل کے بارے میں وعدہ فرمایا تھا لیکن یہ اپنے اہل کے عقیدہ پر قائم نہیں تھا اس لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے اہل میں سے نہیں، ہمارا وعدہ ان جیسوں کے لیے نہ تھا، بلکہ ان کے لیے جن کا عمل نیک ہو جو صالح ہوں اور کنعان کا عمل غیر صالح ہے، ''اھــــلك'' سے مراد مومنین ہیں اور ان کا گھرانہ جو آپ پر ایمان لا چکا تھا، تو اے نوح میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں، جن کے بارے میں تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ مومن ہیں، انہی کے لیے دعا کرو، جن کو میں مشتبہ رکھنا چاہتا ہوں تو ان کے بارے میں شفاعت نہ کرو۔ [أهلك] من أهلك المؤمنين۔

(آیت ۴۷) اقرار کر رہے ہیں کہ واقعی ہماری غلطی ہے، ہمیں متعین طور پر نہیں معلوم تھا۔ اور ســــــاوی آیت ۴۳ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے صاف طور پر نہیں بتلایا تھا کہ میں ساتھ نہیں دوں گا۔ اخیر میں ''کنعان'' کا ذکر اس لیے رکھا جا رہا ہے کہ، نبی ﷺ کی دعوت کی مدت بھی دراز ہوئی، اب وہ وقت آگیا ہے جو نوحؑ کی قوم کے لیے آیا تھا اس لیے ایسے موقع پر حضور ﷺ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنے کا موقع نہیں، ان پر عذاب کا وقت آگیا ہے اور یہ کہ تمہاری دعا پر کسی کی نجات منحصر نہیں، جیسا کہ نوحؑ کے ساتھ پیش آیا، انھوں نے بیٹے کے لیے دعا کی لیکن وہ دعا کارآمد ثابت نہیں ہوئی۔ پھر اس غلطی کے بعد نوحؑ کے کردار کو واضح کیا جا رہا ہے کہ اس کے بعد وہ ہمارے پاس گڑگڑائے، اور ہم سے معافی مانگی تو تمہاری قوم کے ساتھ وہی امر پیش آئے گا جو نوحؑ کے ساتھ پیش آیا۔

(آیت ۴۸) یہاں کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے اور یہاں ہر طرح کے سامان آسائش موجود ہے، سرزمین شام اس سے لبریز تھا، اب ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جس کی حیثیت وہی ہے جو حضور کی

حیثیت مدینہ میں ہے۔ جولوگ نوحؑ پر ایمان لائے تھے وہ نجات پائے اور رحمت کے مستحق ہوئے اور جنھوں نے جھٹلایا تو انھیں اس کا بدلہ دیا گیا تو یہی سنت یہاں بھی دہرائی جائے گی۔

[أمم] یہاں کچھ لوگ ہیں جو اس دعوت کو جھٹلا رہے ہیں انھیں ہم نے کچھ دنوں تک سامان زیست دیا ہے اس کے بعد عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ان پر ابھی امہال کا قانون چل رہا ہے، ان پر بھی عذاب الٰہی آجائے گا۔ اور مومنین کامیاب ہوں گے، اس پہلو کو حذف کر دیا گیا، اس لیے یہاں پر اصلاً انذار کرنا مقصود ہے۔

(آیت ۴۹) ان تمام تفصیلات سے واقف نہیں تھے اور پھر نہ اس کی تفصیل تورات میں موجود ہے، یہ قصے جو قطعی طور پر بتلائے جا رہے ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ ایک علیم وخبیر کی طرف سے آ رہا ہے، اس لیے اسے ''مـــفتـــری'' کہنا صحیح نہیں ہے، اس سے پہلے انھوں نے کہا تھا کہ یہ افتراء پردازی ہے۔ [فاصبر] پھر اس دین پر جمئے اور حسن انجام آپ کے لیے ہے۔ جس طرح نوحؑ کے ساتھ ہوا اسی طرح آپ کے ساتھ ہوگا۔

(آیت ۵۰) ھود کا قصہ بھی اسی مقصد کے لیے چھیڑا جا رہا ہے جو نوحؑ کے قصہ سے پتہ چلتا ہے [توبوا] توبہ اختیار کرو [قوة] سیاسی قوت میں مزید اضافہ کرے گا۔

(آیت ۵۲) [مــجــرمیــن] اگر ''تــولــی'' کروگے تو جرم کروگے، اور اس کا صحیح انجام نہیں ہوگا۔ (آیت ۵۳) [بینة] معجزہ [عن] سببیہ۔

(آیت ۵۴) یہ آخری دور کی تقریر ہے، [ان نـقـول الا اعتراك] اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) یہ اول فول جو بکتا ہے وہ اس وجہ ہے کہ ہمارے الہ نے کچھ کر دیا ہے (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے الہ تمہیں تباہ کر دیں گے۔

[مما تشرکون] میں تمہارے تمام الہ کا دشمن ہوں اور میں تمہارے شرک سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں، اس کے بعد تم ہمارے خلاف یکہ کر لو، اور ہمیں اس پلان کی اطلاع نہ دو، اور اسے تم جامہ پہنا دو۔

(آیت ۵۶) تصرف اسی کا ہے۔ [أخـذ بـنـاصيتها] تمام چیزیں اسی کے قبضے میں ہیں، اور میں سیدھے راستہ پر ہوں اور میں ہی کامیاب ہوں گا۔ [حـــفيـــظ] وہ نگراں ہے اس لیے جانتا ہے کہ کون کامیاب ہوگا اور کون ہلاک ہوگا۔

(۵۹)تلك مبہم ہے اس کی تفسیر ’’عاد‘‘ ہے [جبار]، متکبر جبر وظلم تکبر کے معنی میں، [عنيد] أى مخالف للحق۔

(آیت۶۰)اس دنیا میں خدا کی رحمت سے محروم رہے اور قیامت میں بھی۔

(آیت۶۰)[کفروا] ربوبیت کا انکار (آیت۶۱)[استعمر] آباد کیا، اقتدار کیا، ہماری پوری زمین لو، اس کو ٹھیک ٹھاک کرو۔

(آیت۶۱)[استغفروا] شرک سے توبہ کرو [قریب] مددگار ہوگا، پکارے گا تو سنے گا۔ اس میں توحید کی دلالت ہے اور نبی کی دعوت پر ایمان لاؤ گے تو ہر چیز سے نوازے گا۔

(آیت۶۲)[مرجو]تم سے تو بہت سی توقعات تھیں، لیکن تم قوم کی روایات کو برباد کر رہے ہو۔ تم باکار تھے اب تم بے کار ثابت ہوئے، اب تم نالائق ہو گئے ہو، تم اتنا بڑا جرم کر رہے ہو، کیا ہم آباء کے دین سے منحرف ہو جائیں۔

[وانا لفى ريب مريب] أى شاك، سخت وشدید، اس میں دھمکی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ ناچیز تمہاری دھمکیوں سے باز آنے والا نہیں، میں برابر اپنا کام کروں گا۔

(آیت۶۳)[فما تزيدوننى غير تخسير] يعنى ان قبلت دعوتكم [آية] حال واقع ہوا ہے۔ (آیت ۶۵)[تمتعوا] اب تمہاری عمر تین دن کی ہے، اتنے دنوں میں اہل ایمان رخصت ہو جائیں گے۔

(آیت۷۰)[نكرهم] اجنبیت محسوس کی۔

(آیت۷۰)[أوجس منهم خيفة] انھوں نے سمجھا کہ عذاب الٰہی کے فرشتے ہیں جو ہماری قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔ کیا ہو گیا کہ ہم گناہوں کی زد میں ہیں۔

(آیت۷۱)[ضحكت] خوش ہوئیں کہ ہماری قوم عذاب الٰہی سے بچی، پہلے تو سن کر غمگین ہوئیں لیکن جب معلوم ہوا کہ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں تو سارا غم جاتا رہا۔

[باسحاق] اسحاقؑ کی خوشخبری دی اور یہ بھی خوشخبری دی کہ ان سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام یعقوبؑ ہوگا۔

(آیت۷۳)[حميد] سخی [مجيد] بہت دینے والا، كثير العطاء۔

(آیت۷۴) جب لما شرطیہ ماضی پر آتا ہے تو اس کا جواب ماضی ہی ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی

مضارع آتا ہے جیسا کہ یہاں موجود ہے، فلما ذھب ------ أصبح یجادلنا فی قوم لوط۔

[مجادلة] زوردارانداز میں گفتگو کرنا۔کعب بن مالک کہتے ہیں کہ أعطیت جدلاً، مجھے قوت بیان حاصل تھی۔ابراہیمؑ اس سلسلہ میں ''مجادلہ'' کرنا شروع کردیئے کہ قوم لوط کوتھوڑی مہلت دی جائے۔

(آیت ۷۴)[حلیم] قابو رکھنے والا اپنی بات پر۔[اواہ] وہ لوگوں کی گمراہی پر بہت آہیں بھرنے والے اور منیب تھے جبکہ معلوم ہوا کہ ان پر قطعی طور پر عذاب آجائے گا۔

[حلیم اواہ] یہ دونوں صفتیں مجادلہ کے سبب آئی ہیں اور ''منیب'' اس وجہ سے کہ اب قوم لوط پر عذاب آکر رہے گا۔

(آیت ۷۶) یہ سب باتیں مکہ میں ہوئی ہیں، اس کے بعد وہ ارض سدوم آئے اور سنگساری ہوئی۔حضرت ابراہیمؑ مکہ میں رہتے تھے لیکن آپ کی موت فلسطین میں ہوئی اس وجہ سے یہودیوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ آپ فلسطین میں رہتے تھے۔اور اسحاقؑ کے پاس رہتے تھے، حالانکہ بات اس کے برعکس ہے، آپ وہاں حضرت اسحاقؑ کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لینے گئے تھے، اور برابر جایا کرتے تھے۔وہ اپنے اسی سفر میں اس دنیا سے چل بسے۔

(آیت ۷۷)[سیٔی] بمقعدھم، آپ غمگین ہوئے [ضاق بھم] ان کے بچانے کے سلسلہ میں عاجز ہوگئے۔تدبیر کی تنگی محسوس کی۔

(آیت ۷۸)[ھؤلاء بناتی] یہاں پر کوئی فقہ کا مسئلہ نکالنا صحیح نہیں، اور نہ ہی کوئی فقہی مسئلہ بیان ہو رہا ہے، حضرت لوطؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تمہارے اندر یہ صفت اتنی ابھر گئی ہے تو ہماری لڑکیاں تیار ہیں لیکن ان مہمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو۔یہ انسانیت کے نام پر ایک اپیل تھی، یہ اپیل اس انداز سے بیان ہو رہی ہے کہ حضرت لوطؑ صحیح معنوں میں اپنی لڑکیوں کو دینے کے لیے تو تیار نہیں تھے لیکن لڑکیوں کو پیش کرنا اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر تم اس درجے میں پہنچ گئے ہو ''تو لو یہ ہماری لڑکیاں ہیں''۔

ان کی قوم مہمانوں کے پاس بڑی تیزی کے ساتھ آئی اور ان کو یہاں پر ان کی یہی برائی لے کر آئی۔

(آیت ۸۰) اگر جنگ کی قوت ہوتی تو جنگ کرتا، اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ مہمان ہیں، فرشتے نہیں۔

[بکم] ''ب'' مقابلہ کے آیا ہے۔ فلیت لی بھم قوم رکبوا۔ لو انی لی قوة لحاربتکم أولو آوی لھم الی رکن شدید لآویت۔

[رکــن شــدیــد]یا پھر کوئی محفوظ جگہ میں انھیں پناہ دے دوں،غم کی انتہاء کے بعد تبشیر آتی ہے، یہاں یہی موجود ہے،اور انتہائی مغلوبیت کے بعد غالب ہونے کی تبشیر ہے۔

(آیت ۸۱) حضرت صالحؑ قوم کے سامنے رکاوٹ بن رہے تھے اس لیے انھوں نے قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔اس لیے فرشتے انھیں ہجرت کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔

(آیت ۸۱)[لا یلتفت] جلدی سے نکلو، محبت لاحق نہ ہو،[امرتك] و لا تسیر بها۔

[قطع] ظلمة آخر اللیل[عالیها و سافلها] قریً[منضود] پیہم[سجیل] کنکر۔

(آیت ۸۳)[و ما هی] مکہ سے یہ بستیاں بہت دور نہیں ہیں ان بستیوں سے روزانہ گزرتے ہیں۔

[بـعد] دو صلے کے ساتھ آتا ہے،من اور عن کے ساتھ۔مکانی بعد کے لیے ''من'' آتا ہے اور دلی دوری کے لیے ''عن'' آتا ہے۔

[مفسدین] حال مؤکد۔

(آیت ۸۶)[بقیة] فضل الله و ما أنا علیکم بحفیظ ان لم تؤمنوا۔

(آیت ۸۶) یہ انسانی تمدن کو برباد کرتی ہے،اس شکل میں اگر اسے اپناؤ گے تو اللہ کا فضل حاصل ہوگا،تاجر قوم کو فائدہ ہوگا،اور آخرت میں اجروثواب ملے گا۔

(آیت ۸۷) قوم شعیب کو اول روز سے دیکھ رہی ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی دن سے آباء واجداد کے طریقے پر تنقید کرنا شروع کر دیا ہے،اور توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور یہی دعوت مشرکین ومخالفین کے لیے بھی کانٹا بنتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شعیب کی قوم اسی بات کو یوں ادا کرتی ہے أ صلوتك تأمرك أن تأمرنا أن نترك أو تأمرنا[أن نترك] أن نفعل ما نشاء،ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہمیں رنج باطل اور خیر کی تلقین کر رہا ہے، مال ہمارا ہے،ہم جس طرح چاہیں گے خرچ کریں گے، اور اس نے جس دن سے نماز شروع کر دی ہے اسی دن سے یہ دینی اعتبار سے اور قومی اعتبار سے بدخواہ اور دشمن ہو گیا ہے۔

اس آیت میں دو باتوں کی طرف دعوت دی گئی ہے۔(۱) توحید اپناؤ (۲) دولت کو اچھے طریقے سے صرف کرو۔

[انك لأنت الحلیم الرشید] یہ استہزاء اور تحکم ہے۔ساری عقل کی پوٹلی تمہارے پاس ہے۔

(آیت ۸۸)[رزقنی] نبوت سے سرفراز کیا،تو کیا میں اس کی بات پہنچانا چھوڑ دوں،تمہارے

استہزاء سے دعوت کو چھوڑ دوں، ایسا نہیں ہوسکتا۔

[ما أرید] میں جس رخ باطل سے روکتا ہوں اور جس سے منع کرتا ہوں اسے اپنا تا بھی ہوں، اس پر عمل کرتا ہوں۔ جس سے روکتا ہوں اس پر عمل بھی کرتا ہوں [خالف الی] آگے بڑھ کر لے لینا۔

[أرید] حیات انسانی اور معیشت انسانی کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں تا کہ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ۔

[و ما توفیقی] میں کمزور ہوں اگر اس کی مدد شامل حال رہی تو کامیابی ہوسکتی ہے۔

[علیه توکلت] اسی سے ہمارا تعلق ہے۔ قوم اس وقت ساری کی ساری مخالفت پر تلی ہوئی ہے، اسی لیے یہ عبارت آگے لگا دی گئی ہے۔

(آیت ۸۹) [لا یجرمنکم] لا یحملنکم ، میری عداوت و مخالفت سے عذاب الٰہی آ کر رہے گا۔ یعنی میری دعوت کا انکار نہ کرو، اسے اپناؤ، شرک سے توبہ کرو، توحید اختیار کرو، وہ رحیم ہے اس لیے پچھلے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور وہ ودود ہے، اس لیے جنت عطا فرمائے گا۔ دونوں صفتیں مل کر اس بات کا مفہوم ادا کر رہی ہیں کہ اس دنیا میں نفع دے گا، اور جنت میں داخل کرے گا۔

(آیت ۹۱) شرک و توحید کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، شرک خاص طور سے انھیں سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے انکار کرنا مقصود ہے۔

[ضعیفا] تمہارے پاس اقتدار ہے، اگر کوئی چیز ہے تو صرف اخلاق کی بلندی۔

(آیت ۹۲) [رهطك] خاندان کے لوگ۔ اگر یہ خاندان نہ ہوتا تو ہم تمھیں ایسی سزا دیتے جو معاشرہ میں کسی بدترین آدمی کو دی جاتی ہے۔ اور تم ہمارے نزدیک محترم نہیں ہو بلکہ تم ذلیل ہو۔

(آیت ۹۲) [ظهریا] گری پڑی چیز، حال واقع ہے اللہ سے۔

[و الله] اللہ تمھیں گھیر کر تباہ کر دے گا۔ [ب] سببیہ ہے۔

(آیت ۹۳) [علی مکانتکم] حال ہے، پوزیشن، ان کو اقتدار حاصل ہے۔

(آیت ۹۴) [الصیحة] زلزلہ، دھماکہ [جاثمین] زمین سے چمٹے ہوئے۔

(آیت ۹۷) [اتبعوا] قبطی قوم فرعون کی قیادت میں گئی، توحید نہ ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پوری جنگی طاقت غرق ہوگئی اور قوم میں اقتدار کی گدی جاتی رہی، ہمیشہ ہمیش کے لیے وہ ذلیل ہو کر رہ گئے۔

[فرعون] و اغرقهم۔

[امر فرعون] اس کا طریقہ کار اچھا نہیں تھا۔

(آیت۹۸)[ورد] مورود، یہ بدترین جگہ جس میں لوگ داخل ہوں گے۔ و بئس المورود الذی، المورود ھی النار۔

[اوردھم] ای فرعون، انھیں جہنم میں لے کراتر جائے گا۔

(آیت۹۹)[الرفد] عطیہ، یہ طنز کی زبان میں ادا ہورہا ہے۔و بئس المرفد الذی یرفد ھذہ اللعنۃ۔

اب انبیاء علیہم السلام کے قصے ختم ہوگئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء کے ماننے والے کامیاب ہوئے اوران کا انکار کرنے واکے عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے۔

(آیت۱۰۰) اب مشرکین ومکذبین کو سمجھایا جارہا ہے۔[القری] المکذبۃ، ویقصہ علیك انذاراً للکفرۃ و تسلیۃ للمؤمنین۔

[قائم] کذرع قائم، کچھ کے تو نشان موجود ہیں اور کچھ کی نشانی کاٹ پھینکی گئی ہے، مثلاً عاد کی کوئی نشانی موجود نہیں، لوط کی بھی کوئی نشانی موجود نہیں، سوائے بحیرہ لوط کے۔قبطی قوم بحیثیت مقتدر ہونے کے موجود نہیں۔

(آیت۱۰۱)[من شئی]شئی کی دوترکیب ہوسکتی ہے، پہلی مفعول مطلق (۲) مفعول بہ، جبکہ اغنی عن کو ہٹادینے کے معنی لیں۔[فما زادوھم غیر تتبیب]شرک کرتے رہے۔

(۱۰۳) جب چھوٹے پیانے پر وہ محاسبہ کرتا ہے تو وہ بڑے پیانے پر محاسبہ ضرور کرے گا۔[جمع]کے ساتھ''ل'' آتا ہے تو ''فی'' کے معنی دیتا ہے۔

[مشھود] اژدحام کا دن ہوگا، بکثرت لوگ حاضر ہوں گے، یوم یشھد الناس۔

(آیت۱۰۴) کوئی وجہ نہیں تھی کہ "یات" کے''ی'' کو حذف کردیں لیکن جب سخت طریقے سے انذار کرنا ہوتا ہے تو''ی'' کو حذف کردیتے ہیں۔

(آیت۱۰۵) یہاں پر شفاعت کی تردید کرنا مقصود ہے، وہ ہوگا، اوراس کے اعمال ہوں گے۔اور قاضی دیّان ہوگا۔کچھ لوگ سعید اور خوش بخت اور کامران ہوں گے اور کچھ لوگ ناکام اور نامراد ہوں گے۔

[زفیر] آہیں بھرنا۔[شھیق]سسکنا۔

(آیت۱۰۷) اس دن ایک دوسری زمین ہوگی، دوسرا آسمان ہوگا۔''خالدین فیھا ''ہمیشہ ہوگی لیکن ما فی السموات داخل کرکے دو آتشہ کردیا ہے۔اور'' الا ما شاء ربك '' کہہ کر ان کی خلودگی کو سہ آتشہ کردیا۔ٹھیک یہی بات دوسری آیت میں مذکور ہے اور یہی مفہوم ہے۔[الا ما شاء ربك] لکن

مشیئة اللہ ھی النافذة [ما] مصدر یہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنت والے ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے اور جہنم والے جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

(آیت ۱۰۹)[فلا تك] عام خطاب ہے، اس شبہہ میں نہ پڑیں کہ اس میں خدا کی صفت موجود ہے اور نہ کائنات میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جو ان کے موافق ہے، بلکہ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔

اور یہ لوگ بے سمجھے بوجھے پوجا کررہے ہیں جس طرح ان کے آباء پوجتے چلے آرہے تھے ان کی اتباع میں یہ لوگ کرتے چلے جارہے ہیں اس کے بعد انھیں انذار کیا جارہا ہے۔

[غیر منقوص] پورا پورا عذاب دیا جائے گا۔" فلا تك" کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے۔ اوپر جو دعوت کی مخالفت بیان ہوئی اور وہ قومیں جو نبیوں کو جھٹلا رہی تھیں تو بالآخر وہ اپنے انجام تک پہنچیں تو ٹھیک یہ معاملہ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے۔ یہ لوگ بھی مخالفت کررہے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں۔

(آیت ۱۱۰) مشرکین کے ساتھ اہل کتاب بھی لڑرہے ہیں تو کہا جارہا ہے یہ تو پرانے پاپی ہیں، انھوں نے اس چھوٹی کتاب کو جھٹلا دیا ہے تو اس بڑی کتاب کو کیوں کر نہیں جھٹلائیں گے۔ اور اسے کیسے مان کردیں گے۔

[اختلف] کتاب الٰہی سے ہٹ کر الگ الگ نظریہ بنایا ہے۔ ان پر وہی عذاب آئے گا جو مشرکین عرب کا ہوگا، یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ مشرکین مخالفت کرسکتے ہیں لیکن یہ علماء حضرات کیوں کر جھٹلا رہے ہیں، تو کہہ دیا گیا کہ یہ بگڑے ہوئے لوگ ہیں۔

[منه] من جهة القرآن (آیت ۱۱۱)[کلاً]، تمام لوگ، مشرکین، اہل کتاب کے دونوں گروہ۔ یہ 'لما'' تاکید کے لیے آیا ہے۔ سب کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔

(آیت ۱۱۲) یہ خاتمہ سورہ ہے، یہاں سے اخیر تک اس میں مومنین اور رسول کو غلبہ کی بشارت دی جارہی ہے، اور یہ ہدایات دی جارہی ہیں کہ تم اس وقت کیا کروگے، یہ مخالفت کا دور ہے اور جب اقتدار کا دور ہوگا تو یہی ہدایات اس وقت بھی کام آئیں گے۔ اور یہ جو بات آئی کہ ''سورہ ھود'' نے حضور کو بوڑھا کردیا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ سوچتے تھے اب ہماری امت کو اقتدار اور منصب خلافت پر لا کھڑا کیا جانے والا ہے، جو بہت ہی آزمائش کی چیز ہے، اس میں رہتے ہوئے ہماری امت صحیح دین پر قائم رہتی ہے یا نہیں، یا اس سے منحرف ہوجائے گی۔ یہی خدشہ تھا جو حضورﷺ کو لاحق تھا جس کی وجہ سے آپ

نے فرمایا تھا:

"شیبتنی ھود وأخواتھا"۔اس روایت کی بھرپور تشریح مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے مضمون میں موجود ہے(۳)

(آیت۱۱۲) [فاستقم]علی جادة الحق لما امرت أی فاصبر۔

[وتاب]شرک سے توبہ[ولا تطغوا] أی لا تتجاوزوا ولا تنحرفوا[طغی] قرآن کی اصطلاح میں"دنیاپرست ہونے" کے آتے ہیں۔ ایثار الآخرة علی الحیاة الدنیا۔

[انه] ان ہدایات پر عمل کروگے تو نصرت ملے گی، اگر انکار کروگے تو بھٹک جاؤ گے۔

(آیت۱۱۲)[لاترکنوا] ہر برے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

امام فراہیؒ لکھتے ہیں(آیت۱۱۲) [من تاب معك] ای آمن و عمل به۔(۴)

(آیت۱۱۳)[النار] امام فراہیؒ فرماتے ہیں'النار" سے مراد تفرقہ کی آگ ہے، یعنی یہ نہ ہو جائے کہ انشقاق کی آگ سے تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے، لیکن مولانا جلیل احسن ندویؒ النار سے مراد جہنم کی آگ لیتے ہیں۔

امام فراہیؒ اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں[۱۱۳]"اللہ تعالی کے علاوہ کوئی بھی مسلمانوں میں ولی نہیں ہوسکتا، اس طرح ہماری دوسروں سے امیدوں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اگر ہم غیروں کی طرف مائل ہوئے تو اس کی مدد نہیں آسکتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ صرف اسی پر توکل کریں"۔(۴)

(آیت۱۱۳)[وما لکم] یہ دنیا میں ہوگا۔ جب تم سے ولایت کٹ گئی تو تم اس سے محروم ہو جاؤ گے۔

[۱۱۲۔۱۱۳] امام فراہیؒ لکھتے ہیں" ان آیتوں میں" استقامت اور مضبوطی سے جمنے کا حکم ملا ہے، نماز کا ذکر ان آیتوں میں اس لیے ہے کہ وہ استقامت کی راہ میں ایک عظیم معاون اور مددگار ہے"۔(۵)

(آیت۱۱۴)[اقم] عام خطاب ہے، یہی صبر کا سرچشمہ ہے، یہی استقامت کی ضمانت دینے والی ہے، ورنہ تم رکون اور اعوجاج سے محروم نہیں رہ سکتے۔[ذکری]نصیحت[ذاکرین]مومنین۔

(آیت۱۱۵)[فاصبر]دین پر جمنے میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرو۔اس میں یہ بھی شامل ہے

کہ مومنین اپنی دعوت پیش کریں، صبر میں دعوت موجود ہے۔

[مـا اتـرفـوا] جن نعمتوں میں رہتے ہوئے اتراتے ہیں اس کی وجہ سے انھوں نے دعوت پر کان نہیں دھرا، اور برابر اختلاف کرتے رہے، اور برابر مجرم رہے اور دعوت کو جھٹلاتے رہے، یہاں تک کہ ہلاک کر دیئے گئے۔

[و مـا کـانوا مجرمین] فأهلكوا ، یہ پوری بستی میں وہی لوگ نجات پائیں گے۔اور جواولوا بــقیۃ ہیں، جو دعوت حق کا کام کر رہے ہیں اور جو لوگ نعیم وخوشحالی میں ہیں اور دعوت کا انکار کر رہے ہیں، انھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔[مصلح] اپنے اعمال کو ٹھیک کرنے والے۔

(آیت ۱۱۷)[بـظـلـم] جن کو ہلاک کرتا ہے وہ مصلح نہیں ہوا کرتے، وہ صالح بستی کو ہلاک نہیں کرتا، اگر ایسا کرتا تو وہ ظلم کرتا۔اور اس بستی کے لوگ ہوں گے جب وہ مصلح نہ ہوں گے۔

امام فراہیؒ ان آیتوں [۱۱۶۔۱۱۷] کے بارے میں لکھتے ہیں ''نماز اصلاح کی اصل اور بنیاد ہے جب تک نمازی ہیں عذاب الٰہی نہیں آئے گا۔نماز استغفار پر مشتمل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر انابت ہوتی ہے، نماز اللہ کی طرف لوٹنے اور پلٹنے کا نام ہے''۔(۶)

[و اهـلـهـا مـصلحون] کے تحت مولانا مودودیؒ یہ تشریح لکھتے ہیں: ''ان آیات میں نہایت سبق آموز طریقے سے ان قوموں کی تباہی کے اصل سبب پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کی تاریخ پچھلے چھ رکوعوں میں بیان ہوئی ہے۔اس تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے انہی قوموں کو نہیں بلکہ پچھلی انسانی تاریخ میں جتنی قومیں تباہ ہوئی ہیں ان سب کو جس چیز نے گرایا وہ یہ تھی کہ جب اللہ تعالی نے انہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا تو وہ خوشحالی کے نشے میں مست ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے لگے اور ان کا اجتماعی ضمیر اس درجہ بگڑ گیا کہ یا تو ان کے اندر ایسے نیک لوگ باقی رہے ہی نہیں جو ان کو برائیوں سے روکتے یا اگر کچھ لوگ ایسے نکلے بھی تو وہ اتنے کم تھے اور ان کی آواز اتنی کمزور تھی کہ ان کے روکنے سے فساد نہ رک سکا۔یہی چیز ہے جس کی بدولت آخر کار یہ قومیں اللہ تعالی کے غضب کی مستحق ہوئیں، ورنہ اللہ کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ تو بھلے کام کر رہے ہوں اور اللہ ان کو خوہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے''اس کے بعد مولانا مودودیؒ نے تین باتوں کی طرف نشاندہی کی ہے: پہلی بات یہ کہ ہر اجتماعی نظام میں نیک لوگوں کا موجود ہونا ضروری ہے جو خیر وشر کی دعوت دینے والے ہوں۔اگر ایسا نہیں ہوا تو اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہوگا۔دوسری اہم بات یہ کہ اگر قوم چند خیر پرکار بند افراد کو برداشت نہ کر سکے

تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے برے دن آ گئے ہیں۔ تیسری اہم بات یہ کہ ”ایک قوم کے مبتلائے عذاب ہونے یا نہ ہونے کا آخری فیصلہ جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ کہ اس دعوت خیر پر لبیک کہنے والے عناصر کس حد تک موجود ہیں“۔(۷)

(آیت ۱۱۸)[لا یزالون] برابر یہ لوگ کتاب الٰہی سے ہٹے رہیں گے۔

تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہارے اندر جو خواہش پیدا ہوتی ہے کہ سب کے سب کیوں نہ مسلمان ہو جاتے ہیں تو کہا جا رہا ہے ہم نے آزادی اور اختیار اس مخلوق کو بخشا ہے، اس لیے یہ بات آپ سے آپ پائی جائے گی کہ اس دعوت کی وجہ سے لوگ دو گروہ میں بٹ جائیں گے، ایک متفقین کا گروہ ہوگا، اور دوسرا گروہ مخالفین کا گروہ ہوگا۔ اس لیے یہ بات ضرور ہوگی کہ یہ دونوں آپس میں ٹکرائیں گے دونوں میں کشمکش برپا ہوگی۔ یہ خواہش ان کے اندر اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ مخالفت زوروں پر ہے۔ اور کشمکش ہے اس لیے کہا جا رہا ہے اللہ نے آزادی اور اختیار دے کر ایسا نہیں چاہا۔(۸)

(آیت ۱۱۹)[الا من رحم] جو لوگ ایمان لائیں گے۔[لـذلك] اس کا مشار الیہ رحمت ہے۔ اور بعض لوگ اس کا مشار الیہ مخالفت کو مانتے ہیں، یعنی یہ کہ انھیں اسی لیے پیدا کیا تھا کہ یہ لوگ اس دعوت کی مخالفت کریں، دوسری تاویل نہ ہوگی، ان کی خلقت رحمت کے لیے ہوئی ہے، اصل فطرت پر ہوئیہے لیکن انھوں نے اپنی فطرت بدل دی، اس کی اصل وجہ یہ کہ مخلوق کو اختیار اور آزادی رائے ملی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنی فطرت بدل کر اس دعوت کی مخالفت کر رہے ہیں۔

[وتمت] آغاز آفرینش ہی میں کہہ دیا تھا کہ ہم جہنم کو ابلیس کے متبعین سے بھر دیں گے۔

(آیت ۱۲۰) [حق] نبیوں کے سچے قصے [موعظة] ان غلط کاروں کے لیے جو اس حق میں شبہہ کرتے ہیں نصیحت و موعظت ہے۔

[ذکری] مومنین کے لیے تسلی ہے۔

(آیت ۱۲۱) میں کار دعوت نہیں چھوڑوں گا۔

(آیت ۱۲۲) انتظروا عذاب الله وانا منتظرون نصرة الله۔

(آیت ۱۲۳) جو عذاب اوٹ میں ہے، وہ اللہ کی نگاہ میں ہے۔

فاعبد و توکل، نبی کو نمائندہ کی حیثیت سے خطاب کیا پھر مومنین سے کہا گیا کہ اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ اس لیے کامیابی سے ہمکنار کرے گا، بشرطیکہ اس کی عبادت کرو اور توحید پر قائم رہو۔

حواشی و تعلیقات

(۱) سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں: ''یہ سورہ، سورہ یونس کے بعد نازل ہوئی ہے اور سورہ یونس اسراء و معراج کے بعد اتری ہے، اس طرح یہ جس دور میں نازل ہوئی ہے اس کی شاہراہوں اور منزلوں کو متعین کرتی ہے، یہ دور نہایت ہی جاں گسل اور سختیوں سے بھر پور دور تھا، جیسا کہ میں نے مکہ کی دعوت کی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ پھر اس سے پہلے ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو جاتا ہے، اور مشرکین کی ہمت اور جرأت میں اس حد تک اضافہ ہو جاتا ہے کہ جو کام انہیں ابوطالب کی زندگی میں کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اب وہ آسانی سے کرنے لگے ہیں۔ خصوصیت سے ان حالات کی روشنی میں جب اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا اور یہ واقعہ نگاہوں میں کسی حیرت انگیزی سے کم نہ تھا اور مشرکین کا تمسخر و استہزاء کا رویہ، اور اسراء و معراج کے بعد بعض مسلمانوں کا ارتداد کا واقعہ (اسراء و معراج کے بعد بعض مکی مسلمانوں کے ارتداد کے بارے میں جو حدیث آئی ہے وہ منکر اور ایک روایت مرسل ہے لیکن ضعیف ہے جن کو محدثین نے قبول نہیں کیا ہے، سنداً اور متناً محدثین نے نقد کیا ہے (راقم ظفر اثری)، ان تمام واقعات کے رونما ہونے کے ساتھ ساتھ، حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی تنہائی کی زندگی نے قریش کو آپ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کا موقع فراہم کر دیا تھا اور آپ کی دعوت کے خلاف محاذ بنا لیا تھا اور آپ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا، یہ جاں گسل اذیتیں ایسی تھیں جو اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھیں اور اس طرح دعوت کی تحریک منجمد ہو گئی تھی اور اس حد تک کہ مکہ اور اس کے اردگرد سے کوئی بھی اسلام کے دائرے میں نہیں آ رہا تھا اور یہ صورتحال اس وقت تک قائم رہی جب تک عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ کا واقعہ پیش نہ آیا، اس کے بعد اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے لیے ایک مٹھی بھر مسلمانوں کے ساتھ دعوت کا دروازہ کھول دیا۔''

مزید یہ لکھتے ہیں ''کہ اس دورانیہ میں سورہ ھود کا نزول ہوا اور اس سے پہلے سورہ یونس نازل ہوئی اور ان دونوں سے پہلے سورہ اسراء اور سورہ فرقان نازل ہوئیں اور ان تمام سورتوں میں اس صورتحال کی چھاپ پوری طرح موجود ہے اور ان کے اندر قریش کے چیلنجز اور ان کی آخری حد تک کی زیادتیوں کا ذکر موجود ہے''۔ (فی ظلال القرآن سورہ ہود)

سید قطب شہیدؒ سورتوں کے اندر موضوعاتی نظم قائم کرتے ہیں اور ایک سورہ کو دوسری سورہ سے موضوع کے اعتبار سے باہم دیگر منضبط کرتے ہیں اور اس حیثیت سے وہ اس بات میں ممتاز نظر آتے ہیں کہ پوری تفسیر میں سورتوں کے شروع میں سابق اور لاحق سورتوں کے درمیان شان نزول کو تاریخ اور

روایت کے حوالوں سے ان کے موضوعات پر نظم قائم کرتے ہیں جو بہت ایمان افروز ہوتا ہے اور اس نظم میں زیادہ تر سورتوں کے موضوعات اور تاریخی حقائق پر گفتگو ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''ان سورتوں کے اندر پوری انسانی تاریخ میں جو عقیدہ اسلامی کی تحریک برپا ہوئی حضرت نوحؑ سے لے کر آخری نبی ﷺ تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ایک ایسی رپورٹ ہے جو ایک ہی بنیادی حقیقت پر قائم ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ایک انصاف کا دن قائم ہوگا۔ جسے یوم الدین اور یوم الحساب کہا جاتا ہے اور عبادت اور پرستش کا حق صرف اسی کو ہے اور پوری انسانی تاریخ میں انبیاء کرام ہی کے ذریعہ دینونت اور عبادت کے بارے میں وحی ہوتی رہی۔ اور اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ دنیا صرف آزمائش کی جگہ ہے اور یہ جزاء وسزا کی جگہ نہیں اور جزاء اور سزا صرف آخرت میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے انسان کو انتخاب واختیار کی آزادی دی ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرے یا ضلالت کا راستہ۔ اور یہی اس آزمائش اور ابتلاء کا محور ہے۔

مزید آگے لکھتے ہیں کہ ''سورہ یونس میں قصے مختصر بیان ہوئے ہیں، حضرت نوحؑ اور ان کے بعد کے رسولوں کے قصوں کا اشارہ ہے، کچھ تفصیل موسیٰؑ کی ہے اور جملاً یونسؑ کی ہے، لیکن سورہ میں تمام قصے بطور مثال اور شہادت کے پیش کیے گئے ہیں، تاکہ عقیدہ کے حقائق کو ثابت کیا جائے جو اس سورہ کا مقصد ہے۔ رہی سورہ ھود تو اس میں قصے، سورہ کا جسم اور جان ہیں۔ اور یہ چاہے بطور شہادت اور مثال کے لیے ہوں تاکہ اعتقادی حقائق کی صداقت پیش کرسکیں جو ان کا ہدف ہے مگر یہ بات واضح ہے کہ عقیدہ ربانی کی تحریک کا جائزہ انسانی تاریخ میں ایک واضح اور کھلا ہوا قرآن کا ہدف ہے۔

اسی لیے ہم اس سورہ کی ترکیب و بناوٹ کو دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر تین ممتاز حصے ہیں۔ پہلا یہ کہ سورہ کا مقدمہ، عقیدہ کے حقائق پر مشتمل ہے اور یہ ایک محدود حصہ کو کور کرتا ہے دوسرا حصہ تاریخ میں اس عقیدہ کی تحریک پر مشتمل ہے، اور سورہ کے بیشتر سیاق وسباق کے گرد گھومتا ہے۔ تیسرا حصہ ایک محدود حصے میں اس تحریک پر ایک تبصرہ ہے۔ پھر یہ بات واضح ہے کہ سورہ کے تمام حصے بنیادی اعتقادی حقائق کی رپورٹ کرنے میں باہم دگر جڑے ہوئے ہیں اور معاون ہیں جو کہ پورے سورہ کے سیاق وسباق کا مقصد ہے۔ سورتوں کے تمام حصے ان حقائق کو اپنے مزاج کے مطابق ثابت کرتے ہیں اور ایسے طریقے سے بیان کرتے ہیں کہ ان حقائق کا ادراک آسان ہوجاتا ہے اور یہ حقائق، رپورٹ، قصے اور تعلیمات ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں۔ سورہ ان بنیادی حقائق کو ثابت کرنے کے لیے اپنا ہدف

بناتی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اور انبیاء کرام سب کے سب ایک ہی حقیقت لے کر آئے جو منزل من اللہ تھی۔اور وہ حقیقت یہ تھی کہ یوم الدین اور یوم الحساب کا دن آئے گا اور لوگوں کو ان کے کیے ہوئے کا بدلہ صحیح صحیح ملے گا،اور لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ اسی حقیقت کی بنیاد پر ہوگا کہ کس نے اس دن کے لیے اپنا توشہ بھیجا ہے اور کس نے نہیں بھیجا ہے'' ۔(تفسیر فی ظلال القرآن سورہ ھود)

(۲) تفہیم القرآن جلد۲ حاشیہ ۱۷،۱۸)

(۳)''سورہ ہود کے متعلق ایک اہم سوال کا جواب'' مولانا ابو اللیث اصلاحی و ندویؒ کا ایک مضمون جو''قرآنی مقالات'' کے مجموعے (ادارہ علوم القرآن سرسید علی گڑھ) میں شائع ہوا ہے۔یہ مضمون اس بات کی تائید میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس بات کی فکر تھی جب خلافت قائم ہو جائے گی اور امت کے اندر دولت کی ریل پیل ہوگی تو یہ دور انتہائی آزمائش کا دور ہوگا اور امت کے ابتلاء کا دور ہوگا،کہیں امت اس میں پھنس کر نہ رہ جائے اور آخرت سے غفلت کا شکار نہ ہو جائے اس فکر نے آپ کو غم میں مبتلا کر دیا تھا۔اس موقف کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

'' اللہ کے رسول ﷺ پر سب سے زیادہ شاق گزرنے والی اور شدید اور شدت اختیار کرنے والی آیت'' فاستقم کما امرت ''تھی،اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:'' شیبتنی ھود وأخواتھا ''یہ بات آپ نے اس وقت کہی جب آپ سے صحابہ نے یہ سوال کیا تھا۔کیوں آپ ﷺ کے بال سرعت کے ساتھ سفید ہونے لگے ہیں تو آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی تھی۔اور اسی آیت سے امت مسلمہ کو ہدایات دی جا رہی ہیں کہ جب تمہیں خلافت کا بار ملے گا تو کن چیزوں کو کرنا ہوگا اور کن چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا۔

یہ رائے امام فراہیؒ کی ہے،وہ لکھتے ہیں''جان لو،اس سورہ کے آخر میں امت کے اندر جو واقعات اور حالات رونما ہوں گے اس کا اشارہ موجود ہے اور ان سے نبٹنے اور نجات کے حصول کے لیے بھی اشارہ کر دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ظالموں کا راستہ نہ اختیار کیا جائے اور قیام اللیل کا اہتمام ہو اور صبر کا دامن تھاما جائے۔اور اس بات کا اشارہ ہے کہ سخت حالات کی گھڑیاں گزرنے کے بعد ہی کشادگی اور فراوانی کے انتظار کی گھڑیاں آتی ہیں۔اس سلسلہ میں پچھلی امتوں کے حالات اور قصے سنائے گئے ہیں جن کا ذکر اس سورہ کے اسرار میں ہم نے ذکر کیا ہے اور اس پیش آمد آزمائش اور مصیبت کا ذکر اور اشارہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی اس حدیث میں کیا ہے،فرمایا: شیبتنی ھود ۔(تعلیقات فی تفسیر القرآن، الجزء

الاول، امام عبدالحمید الفراہی، سورہ ھود، دائرہ حمیدیہ، ص: ۲۸۰)

یہ حدیث امام ترمذیؒ نے کتاب التفسیر میں ذکر کی ہے جو و من سورۃ الواقعۃ کے باب میں ہے۔ عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال قال ابو بکرؓ یا رسول اللہ قد شبت قال (شیبتنی ھود و الواقعۃ و المرسلات وعم یتسائلون واذا الشمس کورت ، اسے امام ترمذیؒ نے حسن غریب کہا ہے اور یہ حدیث متعدد طرق سے آئی ہے۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اپنی کتاب سلسلۃ احادیث میں ذکر کیا ہے۔ اور اخواتھا کے ضمن میں سورہ قیامہ، سورہ انشقاق اور سورہ انفطار کو بھی مذکورہ سورتوں کے ساتھ امام عبدالرزاقؒ نے اپنی کتاب ''مصنف'' میں ذکر کیا ہے۔

سید قطب شہیدؒ اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں فاستقم کما أمرت کے تحت لکھتے ہیں کہ '' آپ ﷺ کو امر یعنی اللہ کی طرف سے استقامت کا جو حکم ملا اس کا احساس اس شدت اور خوف کے ساتھ ہوا کہ آپ ﷺ سے مروی ہے [شیبتنی ھود] (یعنی سورہ ھود کی وجہ سے میرے بال سفید ہو گئے) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ استقامت، میانہ روی اور کج روی سے دوری کے طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے گامزن رہنے کا نام ہے۔ اور یہ عمل دائمی بیداری، ہمیشہ تدبر و تفکر اور مسلسل تحقیق و جستجو کا محتاج ہے اور اس کے ساتھ ہی انسانی جذبات پر کنٹرول کی ضرورت ہے جو کم و بیش کسی خاص رجحان اور ڈائرکشن کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہیں سے یہ استقامت زندگی کی تمام سرگرمیوں میں پیہم رو بہ عمل اور سرگرداں ہو جاتی ہے۔ استقامت کے حکم کے بعد انتباہ کی ضرورت، نہی کی شکل میں وارد ہوئی ہے اور نہی کے اندر تقصیر عمل اور ناکامی کے عمل سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ ظلم و زیادتی اور حد سے تجاوز کرنے سے روکا گیا ہے، اور یہ بات کہ استقامت کا حکم اور ضمیر کے اندر جو کچھ بیداری اور چوکسی اور احساس گناہ کا مادہ ہوتا ہے وہ غلو اور مبالغہ کے راستہ کی طرف رخ کرتا ہے اس طرح انسان دین کی آسانی سے نکل کر سختی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی اپنے دین کو اسی طرح باقی رکھنا چاہتا ہے جس طرح اس نے اتارا ہے، اور بغیر کسی افراط اور غلو کے اس کے اندر استقامت چاہتا ہے۔ غلو و افراط اس دین کے مزاج سے میل نہیں کھاتا، ان کا، دین کے مزاج سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے کہ تفریط اور تقصیر کا تعلق دین سے نہیں ہے اور یہ دین کا بہت قیمتی اور مہتم بالشان نکتہ ہے۔ اس طرح انسان صراط مستقیم پر قائم رہے گا۔ اور غلو سے دور رہے گا اور صراط مستقیم پر پردہ نہیں پڑے گا۔'' (فی ظلال القرآن سورہ ہود)

(۴) تعلیقات فی تفسیر القرآن الجزء الاول، امام عبدالحمید الفراہی سورہ ھود، دائرہ حمیدیہ ص ۲۹۳

(۵) تعلیقات فی تفسیر القرآن الجزء الاول، امام عبدالحمید الفراہی سورہ ھود، دائرہ حمیدیہ ص۲۹۳

(۶) تعلیقات فی تفسیر القرآن الجزء الاول، امام عبدالحمید الفراہی سورہ ھود، دائرہ حمیدیہ ص۲۹۳

(۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفہیم القرآن، دوم سورہ ھود، حاشیہ ۱۱۵

(۸) مولانا مودودیؒ ایک شبہہ کا جواب دیتے ہیں کہ تقدیر کے نام پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ'' ان میں اہل خیر کا موجود نہ رہنا یا بہت کم پایا جانا بھی تو آخر اللہ کی مشیت ہی تھی، پھر اس کا الزام ان قوموں پر کیوں رکھا جائے؟ کیوں نہ اللہ نے ان کے اندر بہت سے اہل خیر پیدا کردیے؟'' اس کا جواب مولانا نے یہ دیا ہے کہ یہ اللہ کی مشیت تو حیوانات ونباتات اور دوسری مخلوقات میں ہے وہ لگے بندھے جبلی طور پر بندھے ہوئے ہیں، لیکن اگر یہ مشیت انسانوں کے ساتھ ہوتی تو انبیاء کو بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور ہدایت کے لیے آسمانی کتابیں نازل نہیں ہوتیں، اور کفر وعصیان کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ کی مشیت یہ ہوئی کہ انسانوں کو انتخاب واختیار کی آزادی دی جائے۔ اور شر وخیر کا راستہ بتلا دیا اور اس کے انجام سے بھی آگاہ کردیا۔ اللہ براہ راست مداخلت نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اس کو پیدائشی نیک انسان مہیا کردے، اور اس کے بگڑے ہوئے سانچے کو ٹھیک کردے۔ اس طرح مداخلت، اللہ کے دستور میں نہیں ہے۔ نیک ہوں یا بد دونوں قسم کے آدمی ہر قوم کو خود ہی مہیا کرنے ہوں گے۔ (تفہیم القرآن،۲، حاشیہ ۱۱۶، مزید تفصیل سورہ الانعام حاشیہ ۲۴، و حاشیہ ۸۰ سورہ زمر ۲۰، سورہ نحل حاشیہ ۳۲) اور اسی طرح مولانا مودودیؒ نے مشیت اور رضا کے فرق کو سورہ انعام حاشیہ ۸۰ میں واضح کیا ہے۔ اس کی تشریح اس طرح ہے:

مشیت اور رضا، مولانا مودودیؒ علم الکلام کے اس دقیق مسئلہ پر لکھتے ہیں: ''قرآن کی رو سے اللہ تعالی کی مشیت اور اس کی رضا میں فرق ہے۔ وہ اس طرح سے کہ خیر وشر کے وقوع پذیر ہونے میں اللہ کی مشیت ہوتی ہے لیکن شر کی مشیت میں اللہ راضی نہیں ہوتا اور خیر کی مشیت میں اللہ راضی ہوتا ہے''۔

اور وہ لکھتے ہیں: ''دنیا میں کوئی واقعہ کبھی صدور میں نہیں آیا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے''

اور اسے انھوں نے مثالوں سے واضح کیا ہے اور لکھتے ہیں: ''اللہ کی رضا صرف خیر میں ہوتی ہے، چونکہ اللہ کو یہی محبوب ہے کہ بندہ اپنی آزادی کو استعمال کرکے خیر کو استعمال کرے، نہ کہ شر کو''۔

مولانا مودودیؒ نے اس مسئلہ کو بہت ہی منطقیانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، لکھتے ہیں کہ'' حق وباطل کی کشمکش میں تائید ونصرت مومنین کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی اپنی ما فوق الفطری مداخلت سے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کردے۔ بلکہ مومنین کو حق کے راستہ میں جدوجہد

کرنی ہوگی اور حق پرستی کا ثبوت دینا پڑے گا ورنہ ہماری کیا ضرورت تھی‘‘۔

اور خیر و شر کے انتخاب میں انسان کو آزادی حاصل ہے چاہے شر کو اختیار کرے یا شر کو۔ جبریہ اور قدریہ دونوں کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جبریہ یہ کہتے ہیں کہ کائنات میں جو کچھ فیصلے ہوتے ہیں اس کی مرضی سے ہوتے ہیں اور قدریہ اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک معاصی محبوب نہیں ہے اور اس کی مرضی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دونوں گروہوں نے اپنی اپنی دلیلیں دیں۔ مولانا مودودیؒ اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں، سورہ انعام حاشیہ ۸۰ کے تحت:

’’یہاں ہماری سابق تشریحات کے علاوہ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا میں فرق ہے جس کو نظر انداز کر دینے سے بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور اس کے اذن کے تحت رونما ہونا لازمی طور پر یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ اللہ اس سے راضی بھی ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی واقعہ کبھی صدور میں نہیں آیا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے اور اپنی عظیم الشان اسکیم میں اس کے صدور کی گنجائش نہ نکالے اور اسباب کو اس حد تک مساعد نہ کر دے کہ وہ واقعہ صادر ہو سکے۔ کسی چور کی چوری، کسی قاتل کا قتل، کسی ظالم و مفسد کا ظلم و فساد اور کسی کافر و مشرک کا کفر و شرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اسی طرح کسی مومن اور کسی متقی انسان کا ایمان و تقویٰ بھی مشیت الٰہی کے بغیر محال ہے۔ دونوں قسم کے واقعات یکساں طور پر مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں، مگر پہلی قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اس کی رضا اور اس کی پسندیدگی و محبوبیت کی سند حاصل ہے۔ اگرچہ آخر کار کسی خیر عظیم ہی کے لیے فرمان روائے کائنات کی مشیت کام کر رہی ہے، لیکن اس خیر عظیم کے ظہور کا راستہ نور و ظلمت، خیر و شر اور صلاح و فساد کی مختلف قوتوں کے ایک دوسرے کے مقابلہ میں نبرد آزما ہونے ہی سے صاف ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی بزرگ تر مصلحتوں کی بنا پر وہ طاعت اور معصیت، ابراہیمیت اور نمرودیت، موسویت اور فرعونیت، آدمیت اور شیطنت، دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس نے اپنی ذی اختیار مخلوق (جن و انس) کو خیر اور شر میں سے کسی کے انتخاب کر لینے کی آزادی عطا کر دی ہے، جو چاہے اس کارگہ عالم میں اپنے لیے خیر کا کام پسند کرے اور جو چاہے شر کا کام۔ دونوں قسم کے کارکنوں کو جس حد تک خدائی مصلحتیں اجازت دیتی ہیں، اسباب کی تائید نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی رضا اور اس کی پسندیدگی صرف خیر ہی کے لیے کام کرنے والوں کو حاصل ہے اور اللہ کو

محبوب یہی بات ہے کہ اس کے بندے اپنی آزادیٔ انتخاب سے فائدہ اٹھا کر خیر کو اختیار کریں نہ کہ شر کو۔

اس کے ساتھ یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ یہ جو اللہ تعالی دشمنان حق کی مخالفانہ کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشیت کا بار بار حوالہ دیتا ہے اس سے مقصود دراصل نبی ﷺ کو، اور آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو، یہ سمجھانا ہے کہ تمہارے کام کی نوعیت فرشتوں کے کام کی سی نہیں جو کسی مزاحمت کے بغیر احکام الٰہی کی تعمیل کر رہے ہیں، بلکہ تمہارا اصل کام شریروں اور باغیوں کے مقابلہ میں اللہ کے پسند کردہ طریقہ کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ اللہ تعالی اپنی مشیت کے تحت ان لوگوں کو بھی کام کرنے کا موقع دے رہا ہے جنھوں نے اپنی سعی و جہد کے لیے خود اللہ سے بغاوت کے راستے کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح وہ تم کو، جنھوں نے طاعت و بندگی کے راستے کو اختیار کیا ہے، کام کرنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ اگر چہ اس کی رضا اور ہدایت و رہنمائی اور تائید و نصرت تمہارے ہی ساتھ ہے، کیونکہ تم اس پہلو سے کام کر رہے ہو جسے وہ پسند کرتا ہے، لیکن تمھیں یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالی اپنی فوق الفطری مداخلت سے ان لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کردے گا جو ایمان نہیں لانا چاہتے، یا ان شیاطین جن و انس کو زبردستی تمہارے راستہ کے لیے ہٹادے گا جنھوں نے اپنے دل و دماغ کو اور دست و پا کی قوتوں کو اور اپنے وسائل و ذرائع کو حق کی راہ روکنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ نہیں، اگر تم نے واقعی حق اور نیکی اور صداقت کے لیے کام کرنے کا عزم کیا ہے تو تمھیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں سخت کشمکش اور جدوجہد کر کے اپنی حق پرستی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ورنہ معجزوں کے زور سے باطل کو مٹانا اور حق کو غالب کرنا ہوتا تو تمہاری ضرورت ہی کیا تھی، اللہ خود ایسا انتظام کرسکتا تھا کہ دنیا میں کوئی شیطان نہ ہوتا اور کسی شرک و کفر کے ظہور کا امکان نہ ہوتا۔ (تفہیم القرآن، سورہ انعام، اول، حاشیہ ۸۰، اور مزید تشریح کے لیے حاشیہ ۲۴ اور سورہ زمر حاشیہ ۲۰، سورہ نحل حاشیہ ۳۲ دیکھیں۔)

امہات المومنینؓ

...... فضائل و مناقب ......

عبیداللہ طاہر فلاحی مدنی، اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ

امہات المؤمنین کے عمومی فضائل:

(۱) شرف وفضیلت اور مقام ومرتبے میں امہات المؤمنین دیگر خواتین کی مانند نہیں ہیں، ارشادِ باری ہے: ﴿یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ﴾[الاحزاب:۳۲] ''نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔''

(۲) امہات المؤمنین سے اللہ تعالیٰ نے 'رجس' دور کر کے انہیں پاک وصاف کر دیا ہے، ارشادِ باری ہے: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ [الاحزاب:۳۳] ''اے اہلِ بیتِ نبی! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔'' اِس آیتِ کریمہ میں 'اہل البیت' سے مراد امہات المومنین ہیں، کیونکہ ان ہی سے متعلق گفتگو چل رہی ہے۔ اور اگر ہم 'اہل البیت' کو عام مانیں تب بھی امہات المومنین اس عموم میں شامل ہوں گی، کیونکہ سابق ولاحق آیات میں ان ہی کو خطاب کر کے بات کہی جا رہی ہے۔

(۳) امہات المومنین کو تمام مومنین کی مائیں قرار دیا، اور ان کی حرمت اور احترام مومنین پر اپنی حقیقی ماؤں کی طرح ہی فرض ہے، ارشادِ باری ہے: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾[الاحزاب:٦] ''نبی تو اہلِ ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

(۴) انہوں نے دنیا اور اس کی زیب وزینت کے بالمقابل اللہ، اس کے رسولؐ اور آخرت کو منتخب کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجرِ عظیم کی بشارت دی، ارشادِ باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل

لِّأَزْوَاجِکَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلاًOوَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْراً عَظِيْماً ﴾[الاحزاب:۲۸،۲۹]''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو: اگرتم دنیا اوراس کی زینت چاہتی ہوتو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔اور اگرتم اللہ اوراس کے رسول اور دارِ آخرت کی طالب ہوتو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''
اِس کے جواب میں سب نے اللہ اوراس کے رسولؐ کو منتخب کیا۔

(۵) نیکیوں اور اعمالِ صالحہ پر انہیں دہرے اجر وثواب کی بشارت دی گئی، ارشادِ باری ہے: ﴿وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحاً نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقاً كَرِيْماً ﴾[الاحزاب:۳۱]''اورتم میں سے جو اللہ اوراس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزقِ کریم مہیا کر رکھا ہے۔''

(۶) اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شرف بخشا کہ ان کے گھروں میں قرآن اور حکمت کی تلاوت ہوتی۔ یہ چیز ان کی قدر ومنزلت کی آئینہ دار ہے۔ارشادِ باری ہے: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِيْ بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيْفاً خَبِيْراً ﴾[الاحزاب:۳۴]''بیان کرو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بیشک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔''

امہات المؤمنین کے خصوصی فضائل:

حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی ہیں۔

(۲) اللہ کے رسولؐ نے آپؓ کی حیات میں دوسری شادی نہیں کی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''لم يتزوج النبي ﷺ على خديجة حتى ماتت.''[صحیح مسلمؒ:۲۴۳۶]''اللہ کے رسولؐ نے حضرت خدیجہؓ کے رہتے دوسری شادی نہیں کہ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔''اس طرح حضورؐ کی ۳۸ سالہ ازدواجی زندگی کے تقریباً دوتہائی یعنی ۲۵ سال تنہا آپؓ کی رفاقت میں گزرے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضورؐ کے دل میں آپؓ کی محبت رکھ دی گئی تھی۔آپؐ کا ارشاد ہے: ''إني قد رزقت حبها.''[صحیح مسلمؒ:۲۴۳۵]''مجھے اُن کی محبت عطا کی گئی۔''

(۴) حضورؐ کثرت سے آپؓ کو تعریفی کلمات سے یاد کیا کرتے تھے، اور آپؓ کی سہیلیوں تک

کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:"ما غرت على امرأة ما غرت على خديجة، ولقد هلكت قبل أن يتزوجني بثلاث سنين، لِما كنت أسمعها يذكرها، ولقد أمره ربه عز وجل أن يبشرها ببيت من قصب في الجنة، وإن كان ليذبح الشاة ثم يهديها إلى خلائلها." [صحیح مسلمؒ:۲۴۳۵،صحیح بخاریؒ:۳۸۱۶] "میں نے کبھی کسی عورت پر اتنا رشک نہیں کیا جتنا کہ حضرت خدیجہؓ پر کیا، اور وہ میرے نکاح سے تین سال قبل انتقال فرما چکی تھیں۔اس رشک کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ ہمیشہ اُن کا ذکر کیا کرتے تھے۔اور آپؐ کے رب نے آپؐ کو حکم دیا کہ انہیں جنت میں خولدار موتیوں کا مکان ملنے کی بشارت دو۔اور آپؐ بکری ذبح کرتے تو اُن کی سہیلیوں کو گوشت بھیجا کرتے۔"

(۵) آپؓ اِس امت کی سب سے افضل خاتون ہیں۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا:"خير نسائها مريم بنت عمران، وخير نسائها خديجة بنت خويلد." [صحیح بخاریؒ:۳۴۳۲،صحیح مسلمؒ:۲۴۳۰] "تمام عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں، اور تمام عورتوں میں (اپنے زمانے میں) سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں۔"

(۶) اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو سلام کہلوایا اور جنت میں ایک گھر کی بشارت دی، نیز جبرئیلؑ نے بھی آپؓ کو سلام کہلوایا۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیلِ امینؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:"يا رسول الله، هذه خديجة قد أتتك معها إناء فيه إدام أو طعام أو شراب، فإذا هي أتتك فاقرأ عليها السلام من ربها عز وجل، ومني، وبشرها ببيت في الجنة من قصب، لا صخب فيه ولا نصب." [صحیح مسلمؒ:۲۴۳۲،صحیح بخاریؒ:۳۸۲۰] "اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ آپ کے پاس ایک برتن لے کر آ رہی ہیں، اِس میں سالن ہے یا کھانا یا شربت۔لہٰذا جب وہ آئیں تو آپؐ انہیں ان کے رب کا سلام کہیے اور میرا سلام کہیے، اور انہیں جنت میں خولدار موتیوں کے ایک محل کی بشارت سنا دیجیے، جس میں نہ کسی قسم کا شور وہنگامہ ہوگا اور نہ کسی قسم کی تھکان ہوگی۔"

(۷) اللہ کے رسولؐ کی تمام اولادیں آپؓ ہی کے بطن سے ہوئیں، سوائے ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ہوئے۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:"صدقتني إذ كذبني الناس، وواستني بمالها إذ حرمني الناس،

ورزقني الله منها الولد إذ لم يرزقني من غيرها.''[المعجم الکبیر للطبرانی:۱۳/۲۳]''جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کیا تو انہوں نے اپنے مال کے ذریعے میری مدد کی، اور اللہ نے اُن سے مجھے اولاد دیں جبکہ کسی اور سے نہیں دیا۔''

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) اپنے پہلے شوہر سکران بن عمروؓ کے ساتھ آپؓ حبشہ کی جانب ہجرتِ ثانیہ میں شریک تھیں۔ آپؓ کے شوہر کا وہیں انتقال ہوا۔

(۲) آپؓ حضورؐ کی زوجیت میں باقی رہنے کی شدید حریص تھیں تاکہ جنت میں بھی حضورؐ کی زوجیت میسر رہے، چنانچہ آپؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے کہ حضرت سودہؓ نے اللہ کے رسولؐ سے فرمایا:''أنشدک بالله أما راجعتني وقد كبرت ولا حاجة لي في الرجال، ولكني أحب أن أبعث في نسائک يوم القيامة، فراجعها النبي ﷺ.'' [طبقات ابن سعد:۴۳/۸]''میں آپؐ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آپؐ مجھ سے رجوع کر لیجیے۔ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور مجھے مردوں کی خواہش نہیں ہے، میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپؐ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے آپؓ سے رجوع کرلیا۔''

(۳) حضرت عائشہؓ کا آپؓ کے طریقے اور سنت کے مطابق ہونے کی تمنا کرنا۔ فرماتی ہیں: ''ما رأيت امرأة أحب إلي أن أكون في مسلاخها من سودة بنت زمعة.'' [صحیح مسلمؒ: ۱۴۶۳]''میں نے سودہ بنت زمعہ کے مقابلے میں کوئی اور ایسی عورت نہیں دیکھی جن کے مانند ہونے کی مجھے خواہش تھی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ حضرت خدیجہؓ کے بعد اللہ کے رسولؐ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا:''أي الناس أحب إليک؟ قال: عائشة، قلت: من الرجال؟ قال: أبوها....''[صحیح بخاریؒ:۴۳۵۸]''آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ۔ انہوں نے پھر پوچھا: اور مردوں میں سے؟ آپؐ نے فرمایا: اُن کے والد۔''

(۲) شادی سے قبل مسلسل تین راتوں تک اللہ کے رسولؐ کو آپؓ خواب میں دکھائی گئیں۔

آپؓ ہی سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''أریتک في المنام ثلاث لیال، جاء ني بک الملک في سرقة من حریر، فیقول: ھذہ امرأتک، فأکشف عن وجھک فإذا أنت ھي، فأقول: إن یک ھذا من عند اللہ یمضه.'' [صحیح مسلمؒ: ۲۴۳۸] ''تم مجھے تین رات تک خواب میں دکھائی گئی۔ ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں میرے پاس لاتا، اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں چہرہ بے نقاب کرتا تو تم نکلتیں۔ میں (اپنے دل میں کہتا): اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو ایسا ضرور ہوگا۔''

(۳) آپؓ کو حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہؐ کے ذریعے سلام کہلوایا۔ آپؐ نے ایک دن کہا: ''یا عائش، ھذا جبریل یقرئک السلام. فقلت: وعلیه السلام ورحمة اللہ وبرکاته.'' [صحیح بخاریؒ: ۳۷۶۸، صحیح مسلمؒ: ۲۴۴۷] ''عائشہ! جبرئیل امینؑ تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ تو آپؓ نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

(۴) اللہ کے رسولؐ پر اس حالت میں وحی نازل ہوئی جبکہ وہ آپؓ کے ساتھ لحاف میں تھے، ایسا کسی اور ام المومنین کے ساتھ نہیں ہوا۔ اللہ کے رسولؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا: ''یا أم سلمة، لا تؤذیني في عائشة، فإنه واللہ ما نزل علي الوحي وأنا في لحاف امرأة منکن غیرھا.'' [صحیح بخاریؒ: ۳۷۷۵] ''اے ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھ کو نہ ستاؤ۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی عورت کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہ کے۔''

(۵) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام.'' [صحیح بخاریؒ: ۳۷۷۰، صحیح مسلمؒ: ۲۴۴۶] ''تمام عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسا کہ 'ثرید' کی تمام کھانوں پر۔''

(۶) سورہ احزاب کی آیت نمبر ۲۸ اور ۲۹ کے نزول کے بعد جب اللہ کے رسولؐ نے امہات المومنین کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور اس کی زیب وزینت یا اللہ اور اس کے رسولؐ اور یوم آخرت میں سے کسی ایک چیز کو منتخب کرلیں، نیز آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ اس سلسلے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلیں، تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے اس کا آغاز کیا، آپؓ نے اپنے والدین سے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی اور فوراً اللہ کے رسولؐ کو منتخب کرلیا، پھر آپؓ کے اس عمل پر بقیہ تمام امہات المومنین نے بھی فوراً عمل کیا۔ آپؓ نے اس وقت والدین سے مشورے کرنے کے جواب میں بلاتردد کہا تھا: ''ففي

هـذا أستـأمـر أبوي؟ فإني أريد الله ورسوله والدار الآخرة.‘‘[صحیح بخاریؒ:۴۷۸۵،صحیح مسلمؒ:۱۴۷۵]’’میں اس چیز میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟!! میں اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طالب ہوں۔‘‘

(۷) قرآن کی متعدد آیتوں کا شانِ نزول آپؓ کی ذات سے جڑا ہوا ہے، کچھ آیات خاص آپؓ کے بارے میں ہیں، اور کچھ پوری امت کے لیے عام ہے:

☆ خاص آپؓ کے بارے میں نازل ہونے والی آیات: واقعۂ افک میں آپؓ کی براءت کی شہادت کے طور پر سورۂ نور کی ۱۶ آیات (۱۱ تا ۲۶) نازل ہوئیں۔

☆ جو آپؓ کے سبب نازل ہوئیں البتہ وہ پوری امت کے لیے عام ہیں: تیمّم کی آیت جو کہ پوری امت کے لیے فضلِ خداوندی اور آسانی ہے۔

(۸) اللہ کے رسولؐ کی شدید خواہش تھی کہ مرض الموت میں زندگی کے آخری ایام آپؓ کے گھر میں گزاریں، چنانچہ آپؓ بیان فرماتی ہیں:’’إن كان رسول الله ﷺ ليتفقد فيقول: ’أين أنا اليوم؟ أين أنا غدا؟‘ استبطاء ليوم عائشة، قالت: فلما كان يومي قبضه الله بين سحري ونـحـري، ودفن في بيتي.‘‘[صحیح بخاریؒ:۱۳۸۹،صحیح مسلمؒ:۲۴۴۳]’’آنحضرتؐ (بیماری میں) پوچھتے: آج میں کہاں ہوں؟ کل کہاں ہوں گا؟ یہ خیال کرتے ہوئے کہ ابھی میری باری میں دیر ہے۔ پھر میری باری کے دن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح اس حال میں قبض کی کہ آپؐ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور آپؐ میرے ہی گھر میں مدفون ہوئے۔‘‘

(۹) آپؓ اس امت کی سب سے زیادہ علم رکھنے والی خاتون ہیں۔ آپؓ نے اللہ کے رسولؐ سے دو ہزار دس (۲۰۱۰) احادیث روایت کی ہیں۔ اس طرح کثرتِ روایت میں آپؓ کا مقام چوتھا ہے۔ آپؓ سے زیادہ احادیث صرف حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کی ہیں۔ آپؓ کا علمی مقام ومرتبہ اس پائے کا ہے کہ کبارِ صحابہ بھی مختلف مسائل میں آپؓ سے رجوع کیا کرتے تھے اور آپؓ سے فتویٰ پوچھا کرتے تھے۔

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ نے اپنے شوہر حضرت خنیس بن حذافہؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔

(۲)　　آپؓ کثرت سے روزے رکھنے والی اور قیامِ لیل کا کثرت سے اہتمام کرنے والی تھیں، نیز آپؓ جنت میں اللہ کے رسولؐ کی زوجیت میں ہوں گی۔ حضرت قیس بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے آپؓ کو ایک طلاق دے دی، پھر آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا: حفصہ سے رجوع کر لیجیے، کیونکہ وہ صوامہ (کثرت سے روزہ رکھنے والی) اور قوامہ (کثرت سے قیامِ لیل کا اہتمام کرنے والی) ہیں، اور وہ جنت میں آپؐ کی زوجیت میں ہوں گی۔ [المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۶۵/۱۸]

(۳)　　حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مصحف کی جمع و تدوین کا کام ہوا۔ یہ مصحف اُن کی وفات تک اُن کے پاس رہا۔ پھر خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ تک منتقل ہوا، اور اُن کی وفات کے بعد یہ مصحف آپؓ (حضرت حفصہؓ) کے پاس رہا۔ پھر عہدِ عثمانی میں جب جمع و تدوین کا کام دوبارہ کیا گیا تو آپؓ سے یہ مصحف لیا گیا اور پھر واپس کر دیا گیا، اور یہ مصحف آپؓ کی وفات (۴۵ھ) تک آپؓ کے ساتھ رہا۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱)　　اللہ کے رسولؐ نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی کیونکہ آپؓ کا انتقال حضورؐ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ اس طرح صرف حضرت خدیجہؓ اور آپؓ کا انتقال حضورؐ کی زندگی میں ہوا۔

(۲)　　آپؓ 'ام المساکین' کی کنیت سے مشہور ہوئیں، کیونکہ آپ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں اور کثرت سے صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱)　　آپؓ نے اپنے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی۔

(۱)　　اللہ کے رسولؐ نے آپؓ سے نکاح فرمایا اور آپؓ کے لیے دعا فرمائی۔ [صحیح مسلمؒ: ۹۱۸]

(۲)　　صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؓ کی عقل و دانش اور فہم و فراست نے ایک بڑے اہم مسئلے کا حل نکالا تھا۔ جب اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کو اپنے جانور قربان کرنے اور اپنے بال منڈانے کا حکم دیا تو تین بار آپؐ کے کہنے کے باوجود کوئی شخص کھڑا نہیں ہوا۔ اس صورتِ حال سے آپؐ رنجیدہ ہو گئے اور آپؓ کے پاس خیمے میں تشریف لائے اور لوگوں کے رویے کی شکایت کی۔ تو آپؓ نے حضورؐ کو مشورہ دیا

کہ آپؐ لوگوں کو حکم دینے کے بجائے خود عملی طور پر ایسا کر دیجیے تو لوگ فوراً اس پر عمل کرنے لگیں گے۔ چنانچہ آپؐ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلا کر اپنا بال منڈایا۔ آپؐ کو ایسا کرتے دیکھتے ہی لوگ فوراً اپنے جانور ذبح کرنے لگے۔ اس طرح آپؓ کے فہم وفراست اور حسنِ تدبیر نے بڑا کام کر دیا۔[مسند احمد:۳۲۳/۴]

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپؓ کا نکاح اللہ کے رسولؐ سے ساتویں آسمان پر کیا۔ چنانچہ آپؓ دیگر امہات المؤمنین سے فخر یہ انداز میں کہا کرتی تھیں:"**زوجكن أهاليكن، وزوجني الله تعالى من فوق سبع سموات.**" [صحیح بخاریؒ:۷۴۲۰]"تمہاری شادیاں تو تمہارے گھر والوں نے کیں۔ جبکہ میرا نکاح تو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا۔" اس نکاح کا تذکرہ سورہ احزاب میں یوں کیا گیا ہے: ﴿**فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَراً زَوَّجْنَـٰكَهَا**﴾[الاحزاب:۳۷]۔

(۲) آپؓ سے نکاح کے ذریعے اللہ کے رسولؐ نے جاہلیت کی ایک رسم کا خاتمہ کیا اور عملی طور پر یہ حکمِ خداوندی روبہ عمل لا کر دکھا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا متوفیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس کا تذکرہ سورہ احزاب کی سابقہ آیت میں ہے: ﴿**فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَراً زَوَّجْنَـٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَـآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَراً**﴾ [الاحزاب:۳۷]۔

(۳) آپؓ کا نکاح آیتِ حجاب کے نزول کا سبب بنا۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کے موقع پر گوشت روٹی کا ولیمہ کیا۔ آپؓ گھر ہی میں تھیں۔ لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے، لیکن تین لوگ آپؐ کے گھر میں بیٹھے بات کرتے رہے اور آپؐ شرم وحیا کی وجہ سے ان سے کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔ پھر جب وہ لوگ چلے گئے اور آپؐ نے گھر میں قدم رکھا تو آپؐ کا ایک قدم گھر کے اندر اور دوسرا باہر ہی تھا کہ آیتِ حجاب نازل ہوئی اور آپؐ نے فوراً پردہ کھینچ دیا۔[صحیح بخاریؒ:۴۷۹۲،۴۷۹۳، صحیح مسلمؒ:۱۴۲۸ بہ اختصار]

(۴) اللہ کے رسولؐ نے آپؓ کے صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کی تعریف کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:"**أسرعكن لحاقاً بي أطولكن يداً.**" **فكن يتطاولن أيتهن أطول يداً. قالت: فكانت أطولنا يداً زينب، لأنها كانت تعمل بيدها وتصدق.**"

[صحیح مسلمؒ:۲۴۵۲، صحیح بخاریؒ:۱۴۲۰] ''تم میں مجھ سے سب سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواجِ مطہرات باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔فرماتی ہیں: تو سب سے لمبے ہاتھ والی زینبؓ تھیں، کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کرتی تھیں اور صدقہ وخیرات کرتی تھیں۔'' اس حدیث میں بیان کردہ طولِ ید سے مراد سخاوت وفیاضی ہے۔ابتدا میں امہات المومنین اس چیز کو نہ سمجھ سکیں اورانہوں نے اسے حقیقی طولِ ید سمجھا اور ایک لکڑی سے اپنے بازو ناپنے لگیں اوراس میں سب سے لمبا بازو حضرت سودہؓ کا نکلا، لیکن جب حضورؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو انہیں سمجھ میں آیا کہ طولِ ید سے سخاوت وفیاضی مراد ہے۔اس طرح حضورؐ نے یہ اشارہ فرمادیا کہ آپؓ تمام امہات المومنین میں سب سے زیادہ سخی اورفیاض تھیں۔

(۵) حضرت عائشہؓ نے آپؓ کے بارے میں فرمایا: ''**لم أر امرأة قط خيرا في الدين من زينب، وأتقى لله، وأصدق حديثاً، وأوصل للرحم، وأعظم صدقة، وأشد ابتذالاً لنفسها في العمل الذي تصدق به وتقرب به إلى الله تعالى.**'' [صحیح مسلمؒ:۲۴۴۲] ''میں نے کوئی عورت ان سے زیادہ دین دار، خدا سے ڈرنے والی، بہت ہی صادق اللسان، بہت ہی زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور بہت ہی زیادہ صدقہ وخیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔اور نہ کوئی عورت ان سے بڑھ کر اپنے نفس پر اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے کام اورصدقے میں زور ڈالتی تھی۔''

حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ کثرت سے عبادت کرنے والی اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ فجر کی نماز کے لیے آپؓ کے گھر سے تشریف لائے، اس وقت آپؓ اپنی عبادت کی مخصوص جگہ پر تھیں۔پھر حضورؐ ضحیٰ کے بعد تشریف لائے تو دیکھا کہ آپؓ اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھیں۔[صحیح مسلمؒ:۲۴۴۲]

(۲) آپؓ کا نام برہ تھا، اسے بدل کر حضورؐ نے جویریہ رکھ دیا۔[صحیح مسلمؒ:۲۱۴۰]

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) حبشہ کی جانب ہجرتِ ثانیہ میں آپؓ شریک تھیں۔حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں کی آپؐ نے تعریف فرمائی اوران کے لیے دو ہجرتوں کے ثواب کی بشارت دی۔[صحیح مسلمؒ:۲۵۰۲]

(۲) جب آپؓ کے والد ابوسفیان صلح کی بحالی کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اُس

وقت وہ مشرک تھے، چنانچہ وہ آپؓ کے گھر آئے اور جب بستر پر بیٹھنا چاہا تو آپؓ نے بستر سمیٹ دیا تاکہ ایک مشرک اللہ کے رسولؐ کے مبارک بستر پر نہ بیٹھ سکے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپؓ کو حضورؐ اور اسلام سے کس قدر محبت تھی کہ اپنے والد کا حضورؐ کے بستر پر بیٹھنا گوارا نہیں کیا۔

(۳) امہات المومنین میں آپؓ نسب کے لحاظ سے اللہ کے رسولؐ سے سب سے قریبی ہیں، آپؓ کا نسب حضورؐ سے عبد مناف پر مل جاتا ہے۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ کے شوہر بھی نبی تھے، آپؓ کے والد بھی نبی تھے اور آپؓ کے چچا بھی نبی تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ کو 'ایک یہودی کی بیٹی' کہا۔ یہ بات حضرت صفیہؓ تک پہنچی تو وہ رونے لگیں، اللہ کے رسولؐ آپؓ کے پاس آئے تو رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپؓ نے کہا کہ حفصہؓ نے کہا ہے کہ میں ایک یہودی کی بیٹی ہوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا: تم ایک نبی کی بیٹی ہو، اور تمہارے چچا بھی نبی تھے، اور تم ایک نبی کی زوجیت میں ہو۔ تو وہ آخر تم پر کس چیز میں فخر کر رہی ہے؟ پھر حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ اللہ سے ڈرو۔ [سنن ترمذیؒ: ۳۸۹۴، امام البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔] آپؓ کے والد سے مراد حضرت ہارونؑ ہیں، کیونکہ آپؓ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھیں۔ آپؓ کے چچا حضرت موسیٰؑ ہیں جو کہ حضرت ہارونؑ کے سگے بھائی تھے۔ اور آپؓ حضرت محمد ﷺ کی زوجیت میں تھیں۔

(۲) اللہ کے رسولؐ جب مرض الموت کے شدائد و مصائب میں تھے تو آپؓ نے کہا: بخدا اے اللہ کے رسول! میری یہ خواہش ہے کہ جو تکالیف آپؐ کو ہیں وہ مجھے ہو جائیں۔ تو حضورؐ نے کہا کہ انہوں نے سچ کہا۔ [مصنف عبدالرزاق: ۴۳۱/۱۱، حدیث نمبر ۲۰۹۲۲، طبقات ابن سعد: ۱۲۸/۸]

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) اللہ کے رسولؐ نے آپؓ کے ایمان کی شہادت دی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میمونہ بنت حارث، ام فضل بنت حارث، سلمیٰ بنت حارث اور ان کی ماں شریک بہن اسماء بنت عمیس، یہ سب بہنیں مومنہ ہیں۔ [مستدرک حاکمؒ: ۳۵/۴، حدیث نمبر ۶۸۰۱، علی شرط مسلم۔ امام ذہبیؒ اور علامہ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

(۲) آپؓ کا نام برہ تھا، اللہ کے رسولؐ نے اسے بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ [مستدرک حاکمؒ:

۳۲/۴، حدیث نمبر ۶۷۹۳، امام ذہبیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

(۱) آپؓ حرمِ نبویؐ میں آنے والی واحد مصری خاتون تھیں۔

(۲) آپؓ واحد زوجہ ہیں جن کا آبائی تعلق عیسائی مذہب سے تھا۔

(۳) آپؓ شاہی گھرانے سے تعلق رکھنے والی واحد زوجہ تھیں۔

(۴) باقاعدہ کنیزی سے نکل کر امہات المومنین کے زمرۂ عالیہ میں شامل ہونے والی آپؓ واحد خاتون تھیں۔

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعد آپؓ وہ واحد زوجہ ہیں جن پر کسی سے ناجائز تعلق کی تہمت باندھی گئی اور زبانِ نبوت کے ذریعے اس کی تردید کرائی گئی، چنانچہ آپؓ پر لگنے والے الزام کی حضرت علیؓ کے ذریعے تحقیق کرانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم اہلِ بیت سے اس الزام کو رفع کر دیا۔'' [مسند البزار: ۶۳۴، علامہ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ ۴/۵۲۷-۵۳۰، حدیث نمبر ۱۹۰۴]

(۶) ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؓ واحد زوجہ ہیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ کو اولاد عطا فرمائی گئی۔ آپؓ ہی کے بطنِ مبارک سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ ان کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا اور لوگوں نے ان کی وفات کو اس کا سبب سمجھا تو آپ ؐ نے فرمایا: ''سورج اور چاند کو کسی کی موت یا حیات سے گرہن نہیں لگتا، بلکہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔'' [صحیح بخاریؒ: ۱۰۴۲، صحیح مسلمؒ: ۹۱۴]

فیضانِ نظر اور کراماتِ مکتب

(علمائے ملتان کے درمیان)

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی،
پروفیسر وصدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
ای میل: drfahadamu60@yahoo.in

روایت و جدت کا تناظر

۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو عشائیہ کا اہتمام مہمان خانہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں تھا۔ کچھ مہمان معلمات بھی تھیں جو ایم فل کی طالبات کے زبانی امتحان کے لیے باہر سے تشریف لائی تھیں۔ تناول ماحضر سے فراغت کے بعد ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب کی تجویز آئی کہ چائے نوشی ایک ساتھ کر لی جائے تاکہ باہمی تعارف بھی ہو جائے اور خواتین بھی علمی وفکری شطحات سے محظوظ ہولیں. مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔

ڈاکٹر صہیب کے حکم پر میں نے اپنی تازہ تصنیفات کا تعارف کرایا۔

۱۔ نظم قرآن کے بعض مفسرین، پبلی کیشن ڈویژن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ۲۰۱۷ء میں شائع کی ہے۔ اس میں صوفی مفسر مخدوم علی مہائمیؒ، شافعی عالم دین علامہ برہان الدین بقاعیؒ اور دور جدید کے معروف عالم قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نظم قرآن سے متعلق افکار کا مطالعہ ہے۔

۲۔ اللہ کے مددگار، ۲۰۱۷ء ہی میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ان مختصر مضامین، اداریوں، تبصروں اور علمی مذاکرات کی رپورٹوں کا مجموعہ ہے جو راقم نے بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں لکھا۔ عنفوان شباب کا جوش اور غیر مصالحانہ انداز فکر کا ان تحریروں پر غلبہ ہے۔

۳۔ تہذیب حجاب اور خواتین، پبلی کیشن ڈویژن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہی نے اسی سال ۲۰۱۷ء

میں اسے شائع کیا ہے۔ خواتین کی تکریم، معاشرہ میں ان کی حصہ داری اوران کے اسلامی کردار کی بحالی سے متعلق مباحث اس کتاب میں شامل ہیں۔

۴۔ سیاسیات اسلام کے بنیادی عربی مآخذ کا مطالعہ، یہ ایک عرب اسکالر کی تصنیف فی مصادر التراث السیاسی الاسلامی۔ دراسۃ فی اشکالیۃ التعمیم قبل الاستقراء والتاصیل کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ۲۰۱۷ء میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ اس میں ۲۴۴ عرب مصنفین کی سیاست اور فکر اسلامی پر کتابوں کا مختصر تعارف شامل ہے۔

میری دو کتابیں ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں زیر طبع ہیں: ا۔ لمعات قرآنی (تدبر وتذکیر قرآن سے متعلق مضامین کا مجموعہ) ۲۔ ارباب مدارس کا ادراک۔ ان کتابوں کی طباعت ادارے نے منظور کر لی ہے۔ امید ہے جلد ہی شائع ہو جائیں گی۔

'مدارس کے ادراک' پر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب ٹھٹکے۔ انہوں نے پاکستان کے دینی مدارس کی فکری زبوں حالی اور نظری پسماندگی کا نقشہ کھینچا۔ وہاں روایت پرستی کے غلبہ اور جدت کاری کی ضرورت سے آنکھیں بند رکھنے پر انہوں نے تأسف ظاہر کیا۔ ہندوستان میں عربی مدارس کی تازہ صورت حال اوران کی جدت کاری پر اظہار رائے کرنے کی انہوں نے خواہش ظاہر کی۔ میں نے عرض کیا کہ جوہری اعتبار سے دونوں ملکوں کے مدارس کی ذہنیت، طریق کار اور نصاب ونظام تعلیم میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہندوستان میں مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں اور تکثیری معاشرہ میں اپنے مطلوبہ کردار سے کسی حد تک واقف ہیں اور خواہی نہ خواہی غیر مسلم دنیا سے تعامل ان کے معمولات میں شامل ہے اس لیے یہاں علمائے دین کے ہاں عصری آگہی کے نشانات زیادہ مدھم نہیں ہیں۔

مدارس میں روایت وجدت کے موضوع پر گفتگو کرنے والے عموماً چار قسم کے لوگ ہیں:

ایک قسم ان دانشوروں کی ہے جو مدارس کے روایتی نظام کے شدید مخالف ہیں اور ترقی پسندی اور تجدد کی رو میں علمائے دین پر دشنام طرازی کو انہوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ کانگریس کی حکومت ہو یا بھارتیہ جنتا پارٹی کی۔ یہ لوگ مدرسوں کی جدت کاری کی آڑ میں اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے اور اپنے دل کا غبار نکالتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان علمائے دین اور ارباب مدارس کا ہے جو درس نظامی کے نظام ونصاب میں حالات کے دباؤ میں بس اس قدر تبدیلی کا حامی ہے کہ کچھ انگریزی پڑھا دی جائے اور مکتب میں بعض عصری

مضامین شامل کردیے جائیں۔ یہ لوگ مدارس کے نظام میں کسی جوہری تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہیں۔

تیسرا گروہ ان قلم کاروں کا ہے جو مدارس کے روایتی کردار کے وکیل اور ترجمان ہیں مگر وہ مدارس کے نظام، تاریخ، نصاب، روایت اور ثقافت سے زیادہ واقف نہیں ہیں اس لیے ان کی جانب سے اخلاص کے ساتھ پیش کردہ اصلاحات اور تبدیلیاں قابل عمل نظر نہیں آتیں۔

علماء اور دانش وروں کا ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو مدارس میں مطلوبہ تبدیلیوں کو نافذ کرنا چاہتا ہے مگر اس کے سامنے عملی مشکلات راستہ روکے کھڑی ہیں اور وہ خواہش کے باوجود ان مشکلات پر قابو پانے میں ناکام ہیں۔ تحریک اسلامی کے ادارے بطور خاص اس سیاق میں قابل ذکر ہیں۔ اعظم گڑھ کا معروف مدرسہ جامعۃ الفلاح، اور کیرالا کی الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم دونوں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فلسفہ تعلیم وامامت کے مطابق ترقی پذیر ہیں مگر اس راہ کی مشکلات وموانع پر قابو پانے کے لیے عظیم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔(۱)

صباحت نہیں ملاحت

اس مختصر وقفے میں چائے تیار ہو کر آ گئی۔ میں نے عرض کیا کہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی خدمت کی ذمہ داری جب سے میرے سر آئی ہے میں نے دودھ کی جگہ لیموں کی چائے کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر منزہ حیات بول پڑیں: مولانا آزاد (۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء) بھی دودھ کی چائے نہیں پیتے تھے۔ انہوں نے تو غبار خاطر میں ہندوستان کی چائے کو سیاہ پتی کا جوشاندہ قرار دیا ہے۔ جس میں دودھ ڈال کر لوگ اسے گرم شربت بنا لیتے ہیں۔(۲)

مولانا آزاد تو چینی چائے کے شوقین تھے۔ چینیوں کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہ آیا ہوگا کہ اس جوہر لطیف کو دودھ کی کثافت سے آلودہ کیا جا سکتا ہے۔ روس، ترکستان، ایران اور دوسرے ملکوں میں جہاں چین سے چائے براہ راست گئی کسی نے اس آلودگی کی ہمت نہ کی۔ دودھ ملانے کی بدعت تو انگریزوں نے ایجاد کی اور اس طرح یہ بدعت سیئہ ہندوستان میں پھیل گئی۔(۳)

مولانا آزاد کو چائے کی نوعیت کی بھی شکایت تھی۔ انگریزوں نے ہندوستان اور سیلون میں اس کی کاشت کی اور باہم ردوکد شروع کر دیا کہ کہاں کی چائے کی پتی بہتر ہے۔ سیلون کی یا دارجلنگ کی۔ مولانا آزاد ایسے لوگوں کو ''فریب خوردگانِ رنگ وبو'' قرار دیتے ہیں کہ وہ جس چیز پر جھگڑ رہے ہیں وہ چائے ہی نہیں ہے۔ چین سے چائے کے پودے انہوں نے منگوائے اور یہاں اس کا تجربہ کیا۔ یہاں کی مٹی

نے چائے پیدا کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر تقریباً اسی شکل وصورت کی ایک دوسری چیز پیدا کر دی۔ ان زیاں کاروں نے اسی کا نام چائے رکھ دیا، اور اس غرض سے کہ اصلی چائے سے ممتاز رہے اسے کالی چائے کے نام سے پکارنے لگے۔

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ

لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں۔(۴)

مولانا آزاد کا تجزیہ ہے کہ جمعیت بشری کی یہ فطرت ہے کہ عقل مند آدمی ہمیشہ خال خال ملتے ہیں۔ بھیڑ بےوقوفوں ہی کی رہتی ہے۔ ماننے پر آئیں گے تو گائے کو خدا مان لیں گے۔ انکار پر آئیں گے تو مسیح کو سولی پر چڑھا دیں گے۔ حکیم سنائی زندگی بھر ماتم کرتے رہے۔

گاؤ را دارند باور در خدائی عامیاں

نوح را باور ندارند از پئے پیغمبری

چائے کی مقدار پر بھی مولانا آزاد کی شرطیں بڑی نادر ہیں۔ انہیں مٹھاس میں نہیں، نمک میں لذت ملتی تھی۔ وہ صباحت کے نہیں، ملاحت کے قتیل تھے۔ وہ بڑی دانوں کی شفاف شکر استعمال کرتے تھے اور اس سے وہ کام لیتے تھے جو مرزا غالب گلاب سے لیا کرتے تھے۔

آسودہ باد خاطر غالب کہ خوئے اوست

آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را(۵)

مولانا آزاد نے صراحت کی ہے کہ وہ مدت دراز سے جس چائے کے عادی ہیں وہ وہائٹ جیسمین (White Jasmine) کہلاتی ہے۔ یعنی یاسمین سفید یا ٹھیٹھ اردو میں یوں کہیے کہ گوری چنبیلی۔

کسے کہ محرم راز صباست، مے داند

کہ باوجود خزاں بوئے یلہ سمن باقی ست

اس کی خوشبو جس قدر لطیف ہے، اتنا ہی کیف تند و تیز ہے۔ اور رنگت کو یوں سمجھئے کہ کسی نے سورج کی کرنیں حل کر کے بلّوریں فنجان میں گھول دی ہوں۔(۶) غبار خاطر ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا آزاد نے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیانی عرصہ میں قلعہ احمد نگر میں نظر بندی کے دوران تحریر کیے۔ انہوں نے عالم خیال میں اپنے دوست نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم کو مخاطب تصور کر کے یہ خطوط مرتب کیے۔

حقیقت پسندی یا تحویل قبلہ

مولانا آزاد کی چینی چائے کا ذکر آیا تو ڈاکٹر فرحت جہاں نے الہلال اور البلاغ کا ذکر چھیڑ دیا۔ ان ہفتہ وار جرائد سے ہی مولانا آزاد نے قرآنی فکر کی دعوت شروع کی تھی۔ آخر وہ کیا حالات پیش آئے کہ انہوں نے قرآنی تحریک سے دست برداری اختیار کر لی اور انڈین نیشنل کانگریس سے اپنا مستقبل وابستہ کر لیا؟ ڈاکٹر فرحت جہاں نے بعض حساس مسائل کو چھیڑ دیا۔

راقم نے عرض کیا کہ مولانا آزاد کی فکر کے حامی دانشور اور قلم کار اسے ان کی حقیقت پسندی اور حالات سے آگاہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ الہلال والبلاغ میں مولانا نے اسلامی تحریک کا جو نقشہ، نظام کار اور فلسفہ ونظریہ پیش کیا تھا وہ عینیت پسندی پر مبنی تھا۔(۷) وہ مولانا آزاد کی نوجوانی کا جوش تھا۔ ایک مثالی معاشرہ کے قیام کا آئیڈیل تھا جو ناممکن العمل تھا۔ حالات وتجربات نے انہیں حقیقت پسند بنا دیا۔ جوش پر ہوش اور مثالیت پر حقیقت پسندی غالب آئی۔ کانگریس کے پرچم تلے آزادی کی تحریک میں شرکت اور مسلمانوں کے لیے ترقی وعزت کے راستے کو کھولنے کی جدوجہد اب ان کی زندگی کا نصب العین تھی۔ مگر میری رائے اس کے برعکس ہے۔ میں بہت پہلے سے مولانا آزاد کی بعد کی زندگی کو ارتقائے معکوس قرار دیتا ہوں۔ یہ حقیقت پسندی نہیں تھی، تحویل قبلہ تھی۔ حالات کا ادراک نہیں تھا، فکر کا تنزل تھا۔

میں نے ۱۹۸۳ء میں لکھا تھا کہ یہ بیسویں صدی کا المیہ ہے کہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۴ء تک ملت اسلامیہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا اور الہلال اور البلاغ کی تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد کرنے والا مفکر ومدبر اور مصلح کانگریس کے جال میں ایسا پھنسا کہ عمر بھر اس سے نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔(۸) انہوں نے تجدید واصلاح کے مشن کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی۔ رباعیات سرمد میں مولانا آزاد نے داراشکوہ کی طرف سے وکیل صفائی کا جو کردار ادا کیا ہے اس پر مولانا مجیب اللہ ندویؒ تبصرہ کرتے ہیں:

’’مولانا آزاد کی یہ عبارت پڑھنے والا یقیناً سب سے پہلے اس حیرت میں پڑ جائے گا کہ کیا اس عبارت کا لکھنے والا وہی شخص ہے کہ جب وہ الہلال میں پُرشور دینی مضمون لکھتا تھا تو محسوس ہوتا تھا کہ وہ فاران کی چوٹی سے بول رہا ہے اور جس نے تذکرہ لکھ کر مجددین ملت کے کارناموں کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا تھا اور شرک وبدعت کے جو پردے دین مبین کے اوپر پڑ گئے تھے ان کو تار تار کرنے کی کوشش کی

تھی، وہ اب نیشنلزم کی وادیٔ تیہ میں پہنچ کر کفر واسلام اور دیر وحرم کی تفریق مٹادینے کی اور وحدتِ دین (وحدت ادیان مراد ہے) کی تبلیغ کررہا ہے؟''

آداب فرزندی کی تعلیم

۲۹/اکتوبر۲۰۱۷ء کو صبح ساڑھے آٹھ بجے جامع العلوم شارع معصوم شاہ ملتان میں طلبہ واساتذہ سے خطاب کا پروگرام تھا۔ مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش گمانی ہے نہ ادعاء اور تعلّی میری عادت ہے۔ میں اپنی عزت نفس کو بچانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں اکثر زیاں کار بن کے رہ جاتا ہوں۔ اگر کوئی خودداری کو ٹھیس نہ پہنچائے تو مجھے اس سے بے تکلفی سے ملنے میں کوئی مضائقہ نہیں محسوس ہوتا۔ جامع العلوم کے اساتذہ نے کسی تحفظ کے بغیر ہم سب کا اکرام کیا تو میں نے بھی اپنا دل کھول کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر نفیس طبیعت کے مالک ہیں اور ان کا اندازِ تحسین بڑا انوکھا ہوتا ہے۔ وہ اپنی خوش طبعی اور صاف گوئی سے مخاطب کا دل موہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ انہوں نے اساتذہ سے کچھ اس انداز میں میرا تعارف کرایا کہ میری علمی ہیبت ان کے دلوں پر بیٹھ جائے مگر اساتذہ خود صاحب علم وفضل تھے، تجربہ کار تھے اور خداترس اور پاک طینت تھے۔ وہ ہر مہمان کو بڑھ کر گلے لگانے کا ہنر جانتے تھے۔

میں نے اپنی گفتگو کا رخ طلبہ کی طرف موڑتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ گاؤں بجواں کلاں ضلع بلرام پور اترپردیش ہندوستان کے مدرسہ رحمانیہ میں پنجم تک ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ عالم فرائض مولانا عبدالرحمٰن بجواویؒ کے نام نامی سے یہ مکتب منسوب ہے۔ وہاں سے نکل کر درجات ششم وہفتم کی تکمیل مدرسہ اسلامیہ اکرہرا ضلع سدھارتھ نگر میں کی جو سلفی المسلک قدیم مدرسہ ہے۔ اعلی دینی تعلیم کے لیے اعظم گڑھ کے قصبہ بلریا گنج میں واقع تحریک اسلامی کے معروف ادارہ جامعۃ الفلاح میں داخلہ لیا۔ وہیں سے ۱۹۷۶ء میں عالمیت کی تکمیل کی۔ ۱۹۷۸ء میں فضیلت اور ۱۹۸۰ء میں تخصص فی القرآن کی اسناد حاصل کیں۔ جدید تعلیم کے حصول کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پہنچا۔ ۱۹۸۴ء میں علم سیاسیات میں بی اے اور ۱۹۸۶ء میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۹ء میں اسی شعبے سے سیاسیات اسلام پر مستشرقین کے مطالعات کے تنقیدی مطالعہ پر ایم فل مکمل کیا اور ۱۹۹۲ء میں اسلام کے نظام شوریٰ پر ڈاکٹریٹ کیا۔ میرا پس منظر دینی مدرسہ کا ہے۔ میں جامعۃ الفلاح کی مجلس شوریٰ کا مستقل رکن ہوں اور دینی مدارس کے مسائل ومشکلات سے باخبر اور اس کی خدمات کا دل سے قدرداں ہوں۔

اپنا پس منظر بیان کرنے کا مقصد کوئی خودنمائی یا ستائش نہیں ہے۔ میں طلبۂ عزیز کو یہ بتانا

چاہتا ہوں کہ وہ کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، ایک دینی درس گاہ میں تعلیم حاصل کرنے کا انہیں جو موقع ملا ہے اسے وہ غنیمت سمجھیں اور اصحاب صفہ کی طرح پوری یکسوئی و تندہی کے ساتھ علوم دینیہ کو حاصل کریں۔ یہ علمی اعتکاف مستقبل میں انہیں آبرومند بنائے گا، مقام رفیع کی ضمانت دے گا اور رزق خداوندی سے بھی بہرہ مند کرے گا۔ میں نے انہیں علامہ اقبال کے اس پیغام کی عصری معنویت سے آگاہ کیا:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

میں نے طلبہ کو نافع انسانیت بننے پر زور دیا۔ علم سے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ ان کی مشکلات رفع ہوں۔ عالم وہی ہے جو اپنے علم سے جہالت اور جاہلیت کے اندھیروں کو دور کرے۔ عام انسانوں کو فیض یاب کرے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے علم سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے جو نفع رساں نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم إنی أعوذبک من الأربع ،من علم لاینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لایسمع (۱۰)

(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں چار چیزوں سے: ایسے علم سے جو نفع رساں نہ ہو، ایسے نفس سے جو شکم سیر نہ ہو، ایسے دل سے جو خشیت سے محروم ہو اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔)

آداب تعلم اور غزالیؒ

میں نے عزیز طلبہ کو امام ابو حامد الغزالیؒ (متوفی ۱۱۱۱ء) کی دس نصیحتیں یاد دلائیں جو انہوں نے آداب المتعلم کے عنوان سے احیاء علوم الدین میں درج کی ہیں۔ وہ خود ایک بلند پایہ عالم و محقق، مصنف اور کامیاب معلم تھے اور ان کے تجربات طالبانِ علم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ یہ آداب مطالعہ و تحقیق کے ہر ہم سفر کے لیے کارآمد ہیں:

۱۔ ایک طالب علم کو رذائل اخلاق سے دور ہونا چاہیے۔ حصول علم کے لیے فکری طہارت ناگزیر ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا مشہور قطعہ ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فأوصانی الی ترک المعاصی

فــإن الــعــلــم نــور مــن الــٰـه
ونــور الــلــه لا يــعــطــىٰ لــعــاص

(میں نے اپنے استاد وکیع سے شکایت کی کہ میرا حافظہ خراب ہے،انہوں نے مجھے حکم دیا کہ گناہ چھوڑ دو(حافظہ درست ہو جائے گا!)علم اللہ کا نور ہے۔اوراللہ کا نور کسی معصیت کار کونہیں دیا جاتا۔)

۲۔علم پر تکبر نہ کرے۔تکبر اور علم دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔جو عالم ہوتا ہے وہ متواضع ہوتا ہے۔شریف النفس اور خاکسار ہوتا ہے۔پھل دار درخت کی ٹہنیاں جھکتی چلی جاتی ہیں۔قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء. (فاطر:۲۸)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔)

۳۔دنیاوی زخارف سے اپنا رشتہ کمزور رکھے۔دنیا کی طمع اور علم کی افزائش دونوں میں بعد المشرقین ہے۔حضرت علیؓ سے منسوب یہ شعر بڑی اہم حقیقت اپنے اندر رکھتا ہے:

رضينا قسمة الجبار فينا
لنا العلم وللجهال مال

(ہم خدائے جبار کی تقسیم پر راضی ہیں۔اس نے ہمیں علم دیا ہے اور جاہلوں کو دولت دی ہے۔)

۴۔ایک طالب علم کو آغاز کار میں انسانی اختلاف پر اپنی توجہ مرکوز نہ کرنی چاہیے۔تعدد اور اختلاف پر غور وفکر کرنا بعد کا مرحلہ ہے۔

۵۔طالب علم پسندیدہ اور مقبول عام فنون کو نظر انداز نہ کرے۔ان کے مقصد سے آشنائی ناگزیر ہے۔

۶۔علوم وفنون کے حصول میں ترتیب و تنظیم کو ملحوظ رکھے اور جو مضمون اہم تر ہو پہلے اس کا مطالعہ کرے۔

۷۔کسی اگلے فن میں قدم نہ رکھے جب تک کہ زیر مطالعہ فن کا احاطہ نہ کرلے۔

۸۔اسے ان اسباب کا پتہ ہو جن کی وجہ سے پاکیزہ علوم کی تحصیل ہوتی ہے۔

۹۔طالب علم کے حصول علم کا مقصود دنیا میں تہذیب نفس اور انجام کار کے اعتبار سے قربت

خداوندی کا حصول ہو۔
۱۰۔اپنے نصب العین سے علوم کا رشتہ واضح ہوتا کہ قریبی تعلق رکھنے والے علوم کو وہ ترجیح دے سکے۔(۱۱)

علامہ محمد اقبال نے علم وعشق کے درمیان جو موازنہ کیا ہے وہ بڑا دلچسپ ہے۔علم کے ساتھ عشق کی کارفرمائی نہ ہو، عمل صالح کا توشہ نہ ہو، خدمت اور نفع رسانی کا جذبہ مفقود ہو تو وہ سراپا حجاب بن جاتا ہے۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وظن
بندۂ تخمین وظن، کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور ، علم سراپا حجاب

تصوف کے مصادر

۳۰/اکتوبر ۲۰۱۷ء کو سیمنار ہال شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں مصادر تصوف پر پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی کے توسیعی خطبات کی افتتاحی تقریب تھی۔صدر شعبہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب نے انہیں چھ خطبات تصوف کے لیے مدعو کیا تھا۔پاکستان میں وہی ان کے اصل میزبان تھے۔یہ عقدہ بھی وہیں پہنچ کر کھلا۔احباب اسلام آباد نے پروفیسر صدیقی کی پاکستان آمد کی کچھ ایسی تشہیر کی کہ خود مجھے بھی ملتان پہنچنے سے پہلے تک یہ مغالطہ رہا کہ اسلام آباد کے اہل علم وادب نے پیش قدمی کی ہے اور ارباب ملتان نے زمانہ شناسی اور علم دوستی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔جبکہ صورت حال بالکل اس کے برعکس تھی۔ابلاغ کی کرشمہ سازی کیا کیا گل کھلاتی ہے۔

شعبہ علوم اسلامیہ کی خوش بختی تھی کہ پاکستان ہایر ایجوکیشن کمیشن نے سینٹر فار صوفی ازم کا ایک عظیم الشان اور کثیر المصارف منصوبہ اسے عطا کیا۔شعبہ کے اساتذہ نے بورڈ آف اسٹڈیز کی مجلس میں نام تبدیل کرکے اس منصوبہ کو منظور کر لیا۔اب یہ تصوف اسٹڈی سنٹر کے نئے نام سے کام کرے گا۔اس مرکز کا علمی آغاز پروفیسر صدیقی کے بیش بہا خطبات سے ہوا۔شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی اس علمی وروحانی فیض رسانی کی وجہ سے نیک نام اور پرافتخار ٹھہرا۔

آج کے مقرر خصوصی پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی تھے۔تصوف کی تعریف، ماہیت وکیفیت،

صوفیائے کرام کی تحقیقات، عربی و فارسی میں موجود مصادر تصوف، قرآن و حدیث میں تزکیہ و احسان کا سراغ، اسلامی تصوف کا غیر اسلامی تصوف سے امتیاز وغیرہ موضوعات پر تقریباً ایک گھنٹہ وہ لعل و جواہر بکھیرتے رہے۔ مصادر سیرت نبوی پر ان کی ژرف نگاہی معتبر و مستند ہے مگر تصوف کے مصادر پر ان کی یہ گفتگو بھی بلاشبہ چشم کشا تھی۔

پروفیسر عبدالقدوس صہیب نے مہمان کا تعارف کراتے ہوئے انہیں اصلی صوفی کا لقب عطا کیا۔ اسلام آباد سے ملتان کی پرواز منسوخ ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے چھ گھنٹوں کی مسافت طے کی۔ ٹیکسی کے ذریعہ پوری شب سفر کر کے نماز فجر کے وقت وہ ملتان پہنچے اور چند گھنٹے استراحت کے بعد اس وقت ساڑھے دس بجے علمی مذاکرہ میں موجود تھے۔ سامعین پیرانہ سالی کے باوجود ان کے علم و فضل اور ہمت و جذبہ صادق پر حیران تھے۔ خود مجھے یقین نہ تھا کہ اس طویل سفر کے بعد علی الصبح وہ گفتگو کے قابل ہو سکیں گے۔

افتتاحی تقریب کی صدارت شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر امین نے کی۔ اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال نے نبھائے۔۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ اس تقریب میں اختتامی کلمات پیش کروں۔ تصوف و احسان کے موضوع پر اصولی گفتگو کرتے ہوئے میں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۳۔۱۹۹۹ء) کا پیش کردہ یہ نکتہ برائے بحث و تدبر پیش کیا کہ اہل تصوف نے اگر اس فن کو تزکیہ و احسان کا نام دیا ہوتا یا کم از کم اس نے فقہ باطن ہی کہا ہوتا تو اسلامی تاریخ میں نزاع و اختلاف کی نوبت نہ آتی۔ اسی طرح مولانا ندوی کا خیال یہ بھی ہے کہ ارباب تصوف نے اگر حصول مقصد کے لیے کسی متعین راستہ یا شکل پر اصرار نہ کیا ہوتا اور وسیلہ کے بجائے مقصد پر ہی ان کا سارا زور رہا ہوتا تو اس مسئلہ میں علمائے شریعت اور علمائے طریقت یک زبان ہوتے۔ (۱۳)

مولانا ندویؒ تصوف و سلوک کو اس معنی میں الہامی نظام مانتے ہیں کہ تزکیہ و احسان کے تصورات قرآن اور احادیث میں موجود ہیں۔ اور اسلامی و ایمانی زندگی کی تکمیل کے لیے پورا خاکہ اسلامی ادبیات میں بیان ہوا ہے۔ مگر وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تصوف کی اصطلاح نے اسلامی تاریخ میں اجنبیت کی مضبوط اور ناقابل عبور دیوار کھڑی کر دی ہے۔ (۱۴)

اس کے علی الرغم اکثر دانشور اور علماء اصطلاحات پر کوئی بحث نہیں کرتے اور نفس مضمون سے ہی تعرض کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی مکتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

پردیسی یا مسافر

قرآن کریم نے تزکیہ کو نبی کے فرائض میں شمار کیا ہے جن کی تکمیل کے لیے وہ مبعوث کیے گئے تھے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِيْ الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (الجمعۃ:۲)

(وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔)

حدیث شریف میں اسی کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی مشہور حدیث ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے سوالات شروع کردیے:

ایمان کیا ہے؟

اسلام کسے کہتے ہیں؟

اللہ کے رسول جواب دیتے رہے۔ ایک سوال یہ بھی کیا کہ احسان کیا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

أن تعبد الله كأنک تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراک۔

(تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ کرسکو تو یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔)

پھر اس نے قیامت کے بارے میں سوال کیا اور اللہ کے رسول نے تفصیل سے اس کا جواب دیا۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: اسے میرے سامنے لاؤ۔ لوگوں نے اسے تلاش کیا مگر ناکام رہے۔ آپ نے فرمایا:

هذا جبريل جاء يعلم الناس دينهم۔(۱۵)

(وہ جبرئیل تھے۔لوگوں کوان کا دین سکھانے آئے تھے۔)

میں نے اپنی گفتگو میں واضح کیا کہ احادیث نبویہ میں کتاب الرقاق میں درج روایات کا مرکزی مضمون آخرت کی ابدیت اور دنیا کی ناپائیداری ہے۔ان احادیث سے ایک مسلمان کی جو تصویر بنتی ہے وہ متاع دنیا سے گریز کرنے والے اور متاع آخرت کی طرف لپکنے والے شخص کی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرے دونوں شانوں کو پکڑا اور فرمایا:

كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل

(دنیا میں ایسے گزارا کرو جیسے کوئی پردیسی یا مسافر گزارا کرتا ہے۔)

چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ان کا یہ فرمان گویا حدیث نبوی کی تشریح ہے:

إذا أمسيت فلا تنتظر الصباح وإذا أصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتك لمرضك ومن حياتك لموتك۔(١٦)

(جب شام ہو جائے تو صبح کے انتظار میں مت رہو۔اور جب صبح ہو جائے تو شام تک منتظر نہ بیٹھے رہو۔اپنی صحت کو اپنی آنے والی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی کو اپنی موت کے لیے توشہ بناؤ۔)

حضرت علیؓ کا یہ قول زریں حرز جاں بنانے کے قابل ہے:

إرتحلت الدنيا مدبرة وإرتحلت الآخرة مقبلة ولكل واحد منهما بنون فكونوا من أبناء الآخرة ولا تكونوا من أبناء الدنيا فان اليوم عمل ولا حساب وغدا حساب ولا عمل۔(١٧)

(دنیا پیٹھ پھیر کے بھاگ گئی۔آخرت روبرو کھڑی ہے۔دنیا وآخرت دونوں کے فرزند ہیں۔تم آخرت کے فرزند بنو، دنیا کے فرزند مت بنو۔آج عمل کا وقت ہے کوئی حساب نہیں ہے۔کل حساب کا وقت ہوگا مہلت عمل نہ ہوگی۔)

اکبرآلہٰ آبادی نے اپنے شعر میں اسی تصور کی ترجمانی کی تھی:

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں ، خریدار نہیں ہوں

جناب صدر کے کلمات حسنہ پر محفل برخواست ہوئی۔ناؤنوش کا معقول انتظام تھا۔ایم فل اور پی ایچ ڈی میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ وطالبات پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی سے مشاورت کے لیے

بیتاب تھے۔ انہیں یہ سنہری موقع میسر ہوا تھا شعبہ کے اساتذہ کے تعاون سے۔ وہ اسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ ابھی میں چائے کی پیالی سے شغل کر رہا تھا کہ ایک صوفی بزرگ مجھ سے مخاطب ہوئے:

حضرت! آپ کس سلسلہ سے بیعت رکھتے ہیں؟

یہ سوال مجھے حیران و ششدر کر گیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا، کیا جواب دوں۔ کچھ مہلت مل جائے اس لیے میں نے وضاحت چاہی۔ کہنے لگے ہندوستان میں چار صوفی سلسلے بہت معروف ہیں: سلسلہ قادریہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ نقش بندیہ، سلسلہ چشتیہ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا تعلق ارادت ان سلسلوں میں سے کس سے ہے؟

میری چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔ سلسلہ وہابیت نے اکسایا کہ دوٹوک جواب دو۔ معاملہ آر پار ہو جائے۔ یونیورسٹی کی تدریس نے سلیقہ اور نفاست کی تذکیر کی کہ عوام الناس سے واسطہ ہے۔ انہیں اسلام سے محبت و عقیدت صوفیائے کرام کی مبارک جدوجہد کے طفیل میں ہے اس لیے اس عقیدت کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ میں نے دھیرے سے نارمل لب ولہجہ میں جواب دیا:

ان چاروں سلاسل کے مصدر و ماٴخذ سے میری ارادت ہے۔

بزرگ آگے بڑھ گئے۔ مجھے کچھ سکون ہوا کہ بات بن گئی ہے۔ مگر وہ تھوڑی دیر بعد پھر آ ٹکرائے:

حضرت، یہ کون سا سلسلہ ہے، نہ کتابوں میں پڑھا ہے نہ بزرگوں سے سنا ہے؟

مجھے ہوش آ گیا، تسویف کی پالیسی سود مند نہیں رہی۔ کھل کر کہنا پڑا:

میری ارادت و عقیدت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔

وہ مسکرائے۔ عقیدت سے آنکھوں کو چوما۔ اور شاید فحوائے کلام کو تاڑ گئے کیونکہ سوال کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔

ترا دیں خریدۂ کافری

آج عشائیہ کا اہتمام ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب کے دولت کدہ پر تھا۔ لاہور سے پروفیسر محمد سعد صدیقی صدر شعبہ اور پروفیسر محمد حماد لکھوی علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی بھی تشریف لائے تھے۔ تھوڑی دیر میں پروفیسر الطاف حسین لنگڑیال نے بھی کرم فرمائی کی۔ ڈاکٹر صہیب کی مہمان نوازی اور ان کے اہل خانہ کی سعادت مندی کا مجھے کئی بار تجربہ ہوا ہے ان کے بچے اپنے والدین کا پرتو معلوم ہوتے ہیں۔ آج ان ارباب علم و تحقیق کی بزم سجی تو گھر کو بھی چار چاند لگ گئے۔ ڈاکٹر علی اصغر سلیمی نے بھی رونق بخشی اور

محترم علی طارق کے گل وگلزار ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

کھانے کی میز پر علمی وادبی شطحات کا سلسلہ جاری رہا۔انواع واقسام کی رکابیوں اورلذت کام و دہن کی فراوانیوں کو دیکھ کر پروفیسر لکھوی نے بڑے ادب سے تبصرہ کیا پروفیسر صدیقی کو خطاب کرتے ہوئے قدرے مزاح کے ساتھ: سر آج کل کھانے کے بعد کی دعا تبدیل ہوگئی ہے۔ ہمارے ہاں لاہور میں اب یہ دعا رائج ہوگئی ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف:۲۳)

اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ستم کیا۔اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔

میں نے جسارت کی، جو لوگ افراط سے کام لیتے ہیں اوراسراف کا ارتکاب کرتے ہیں ان پر اس دعا کا صادق آنا سمجھ میں آتا ہے مگر میرے جیسے لوگ جو دو روٹی اور دو بوٹیوں پر قناعت کرتے ہیں وہ ظلم نفس کا مصداق کیسے ہوں گے؟

کہنے لگے،تفریط سے کام لینے والے بھی ظالم ہیں۔آخر قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہوتا ہے۔

قہوہ کا دور چلا تو پروفیسر لنگڑیال کی شامت آ گئی۔ پروفیسر صدیقی نے مطالبہ کردیا کسی غزل کو اپنی مترنم آواز میں سنانے کا۔انہوں نے گلا خراب ہونے کا شکوہ کیا۔ پروفیسر صدیقی نے رعب دار آواز میں اپنی فرمائش دوہرائی اور محفل نے اس کی بھرپور تائید کی۔ پروفیسر لنگڑیال سے میری واقفیت واجبی سی تھی۔ شعبہ دینیات سنی کے پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ان کا ذکر خیر سنا تھا، ملیشیا کوالالمپور کی اسلامی یونیورسٹی میں تدریس کا تجربہ رکھتے ہیں۔ دو بیویوں کا نان ونفقہ برداشت کرتے ہیں ۔ یہ ان کی قوت باطنی کی دلیل بھی ہے اور مجاہدانہ شوکت کی بھی۔ ہمارے دوست مولانا سلطان احمد اصلاحی (۱۹۵۲۔۲۰۱۶ء) کا فتوی ہے کہ اس زمانے میں تعدد ازدواج پر عمل کرنا جہاد ہے۔شرافت و سلامت طبع پروفیسر لنگڑیال کی گھٹی میں ہے۔اندازہ ہوا کہ مستقبل میں اچھے دوست ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ حلیم ہیں اور تحمل مزاج بھی۔

انہوں نے علامہ محمد اقبال کا کلام سنایا اور محفل پر سحر طاری ہوگیا۔

مرا عیش غم مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم ، گروِ عجم، ترا دیں خریدۂ کافری

بوقتِ رخصت ڈاکٹر صہیب نے پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی کی خدمت میں تحائف پیش کیے اپنی رفیق زندگی کی طرف سے۔ مجھے وہ پہلے ہی اپنی عنایتوں اور عقیدتوں سے نہال کر چکے تھے۔

رحمت، عدل اور مساوات

۳۱ر اکتوبر ۲۰۱۷ء کو اسوۂ حسنہ اور سماجی عدل کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ شعبہ علوم اسلامیہ اور سیرت چیئر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے اشتراک باہمی سے یہ علمی مذاکرہ منعقد کیا تھا۔ صدارت شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر امین نے فرمائی اور نظامت پروفیسر محمد ادریس لودھی نے۔ تلاوت قرآن تجوید کے ساتھ قاریہ نسرین اختر نے کی۔ پہلی بار عصری جامعات میں خواتین کی اس علمی نمائندگی کا مشاہدہ ہوا دل عش عش کر اٹھا۔ میں نے اپنی گفتگو میں یونیورسٹی انتظامیہ کی تحسینِ خواتین کی اس علمی روایت پر اسے مبارک باد دی جس پر سامعین وسامعات نے بھی تالیاں بجائیں۔

پروفیسر صدیقی سیرت نگاری کے میدان میں اس وقت امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ ازواج مطہرات کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ نے کسی حکمت وفراست اور بالغ نظری سے عدل قائم کیا تھا اس کے خوبصورت مثالیں آپ نے بڑی متانت کے ساتھ پیش کیں۔ کئی نازک مواقع ایسے آئے کہ آنکھیں بھیگ گئیں فاضل خطیب کی بھی اور سننے والوں کی بھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا ایمان تو سب کے دلوں میں موجزن ہے اور عقیدت ومحبت بھی۔ انہوں نے رحمت اور عدل کے درمیان بڑا خوبصورت اور متوازن فرق کیا۔ عدل خداوندی کا سامنا کرنے کی ہمت کسی ولی صفت انسان میں بھی نہیں۔ قیامت کے دن عدل الٰہی کا ظہور ہوا تو کوئی جائے پناہ میسر نہ آئے گی۔ رحمت خداوندی ہی مومنین کو جنت میں لے جانے کا واحد ذریعہ ہوگی۔ رسول مقبول ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ مسند احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لایدخل احدکم الجنة بعمله۔

(تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا: کیا آپ بھی، اے اللہ کے رسول!

آپ نے فرمایا:

ولا أنا الا ان یتغمدنی الله منه برحمة وفضل۔

(ہاں میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔)

پھر آپ نے اپنا ہاتھ راویٔ حدیث کے سر پر رکھا۔

پروفیسر محمد حماد لکھوی معروف خطیب ہیں۔ ٹیلی ویژن پر اسلامی تعلیمات کی مؤثر ترجمانی کرتے ہیں۔ آواز میں گھن گرج ہے اور تاثیر بھی۔ عدل اور مساوات میں فرق بتاتے ہوئے قرآن کا نظریہ واضح کیا۔ مساوات ایک مغربی نظریہ ہے جبکہ عدل قرآنی اصطلاح ہے۔ اسلام نے مساوات کی جگہ عدل کی تعلیم دی ہے۔ عدل کا مطلب ہے وضع الشیء فی محلہ (کسی چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھنا) مرد و عورت کے درمیان اسلام نے عدل قائم کیا ہے۔ مساوات نہیں۔ اس لیے عورت کو شمع خانہ کی حیثیت دی ہے اور مرد کو اس کا نگراں اور محافظ مقرر کیا ہے۔ اس ایک مثال سے اسلام کے تصور عدل کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّهُ (النساء:۴)

(مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔)

خاندانی نظام میں عدل کو کیسے قائم کیا جائے، یہ آیت اس کی صراحت کرتی ہے۔ پروفیسر لکھوی نے بتایا کہ مردوں کو اللہ نے گھر کا نگراں و نگہبان مقرر کیا ہے اور خاندان کی کفالت کی ذمہ داری اسی کے کندھوں پر ڈالی ہے اور اسی وجہ سے مردوں کو خواتین پر یک گونہ تقدم اور فضیلت حاصل ہے۔ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ خواتین کے ساتھ عدل قائم کیا گیا ان کی صفات کا تذکرہ کرکے۔ صالحیت، شوہر کی فرماں برداری اور ان کے حقوق کی حفاظت۔ وہ دائرہ ہے جو قرآن نے عورتوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

عدل اور قسط میں فرق

پروفیسر محمد سعد صدیقی مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (متوفی ۱۳۹۴ھ) کے پوتے ہیں۔ نرم مزاج، شیریں گفتار اور صالح کردار رکھنے والے نفیس طبیعت کے مالک استاذ اور محقق ہیں۔ انہوں نے اسلام کے نظام عدل پر گفتگو کرتے ہوئے تفلسف کی کچھ اور پرتیں کھولیں۔ عدل اور قسط کے درمیان بڑا باریک فرق ہے۔ اس فرق کو انہوں نے واضح کیا۔ قرآن میں عدل کا لفظ فریقین کے درمیان انصاف کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ (النساء:۵۸)

(اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔)

عدل سے آگے کا مرتبہ قسط کا ہے۔ عدل ایک عارضی صفت ہے جبکہ قسط ایک مستقل عادت کا نام ہے۔ یہ عدل جب ترقی کر کے انسان کے رویہ اور سلوک کا حصہ بن جائے تو اسے قسط کہتے ہیں۔ سورہ الحجرات میں عدل، اصلاح اور قسط کی تینوں اصطلاحات استعمال ہوئیں ہیں:

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ(الحجرات:۹)

(اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

اس آیت میں پہلے حکم دیا گیا کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے جھگڑنے والے دونوں مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرادو۔ مسلمانوں کے اجتماعی فیصلہ کو اگر قبول کرلیا ہے باغی گروہ نے تو اب اس سے چشم پوشی کرو اور اس کی بغاوت کی سزا دینے پر نہ اصرار کرو کیونکہ اس نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔

فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ (الحجرات:۹)

(دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو)

اس کے بعد فرمایا:

وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. (الحجرات:۹)

(اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

یعنی دونوں گروہوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرانا ایک عارضی مرحلہ تھا۔ آگے تعلیم دی گئی کہ ہر حال میں انصاف پسندی کا رویہ اختیار کرو۔ منصفانہ روش اور چلن کے لیے قرآن نے قسط کا لفظ

استعمال کیا۔اور منصفانہ رویہ رکھنے والوں کو مقسط کی صفت سے متصف قرار دیا۔

فکری و تمدنی سیادت

سماجی عدل اور اسوہ حسنہ کے موضوع پر منعقد ہونے والی اس کانفرنس کا آخری مقرر میں تھا اس لیے نہیں کہ مجھے کوئی اعزاز دینا مقصود تھا بلکہ اس لیے کہ حسب ضرورت میرے وقت میں کمی بیشی کی جاسکتی تھی اور مجھے کوئی تکدر محسوس نہ ہوتا۔ ویسے بھی مجھے اپنے بزرگوں کے سامنے آموختہ سنانا تھا اور بس۔ میں نے تعمیر فکر اور قیادت تہذیب کے دو اساسی عناصر پر گفتگو مرکوز رکھی۔ مدینے میں اللہ کے رسول ﷺ نے انہی دونوں ستونوں پر ایک عالمی معاشرہ قائم کیا۔توحید کے عقیدہ نے فکر اسلامی کی تعمیر کی اور ایک نافع انسانیت اور طاقتور تمدن کو برپا کرکے آپ نے معاصر ثقافتوں پر اپنی برتری کا لوہا منوایا۔ یہ ثقافت تہذیب انسانی کا تسلسل تھی اور اس میں قابل قدر اضافہ بھی۔ عالمی ثقافتوں کے یوگ دان کا اعتراف بھی تھا اور ان کی تطہیر کا سامان بھی۔سماجی عدل کا قیام آج مشروط ہے ان دونوں عناصر کی تشکیل سے۔امت مسلمہ اس پوزیشن میں آئے کہ دنیا کی فکری قیادت کرلے اور تہذیبی وتمدنی بھی۔علم وتحقیق کے کارواں کی رہبری کرے تبھی سیاسی قیادت کی تکمیل بھی اس کے ہاتھ میں آسکتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالحمید ابوسلیمان کا نقطۂ نظر اس سیاق میں بالکل واضح ہے۔سیرت طیبہ میں تشکیل معاشرہ کے ان دونوں عناصر کی بھرپور کارفرمائی نظر آتی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اوہام وخرافات اور روایات وطلسمات کے مقابلے میں ایک صاف و شفاف عقیدۂ توحید عطا کیا۔ اس فکر نے وقت کے تمام افکار ومذاہب کی بنیادیں متزلزل کردیں۔حضرت ربعی بن عامرؓ صحابی رسول نے رستم سپہ سالار ایران کے دربار میں اسی فکر کی ترجمانی کی تھی۔رستم نے جب مسلمان قاصدوں کی آمد کا مقصد پوچھا تو انہوں نے بے ساختہ فرمایا:

ابتعثنا الله لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها، ومن جور الأديان الى عدل الاسلام۔(۱۹)

(اللہ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگیوں سے اسے نکال کر اس کی وسعتوں میں داخل کریں، اور مذاہب کے مظالم سے اسے نجات دلا کر اسلام کے عدل کے سایے میں لے آئیں۔)

فکری تفوق کے ساتھ یہ تہذیبی وتمدنی تغلب کا مظاہرہ تھا کہ دور رسالت میں محیرالعقول کارنامے

انجام دیے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر قریشی تجارت کی شہ رگ کو کاٹنا، خندق، حدیبیہ، اور فتح مکہ کے غزوات میں عظیم ترین حربی تدابیر کو اختیار کرنا اعلی سیاست و سفارت کی بہترین مثالیں ہیں۔ ۹ھ میں رومیوں کے خلاف یرموک کی جنگ میں صحرائے شام کو پار کر کے اپنی حربی قابلیت کا لوہا منوانا اور روم و عرب کے سرحدی مقامات کو معاہدات کے ذریعہ باج گزار بنانے کی حکمت عملی۔ یہ سب بے نظیر عبقریت کے مظاہرے تھے۔ دیوان کا قیام، سیاسیات کی منصوبہ بندی، اداروں اور نظاموں کی تشکیل، مساجد کو علوم وفنون کی توسیع اور امامت کی تعلیم و تربیت کا مرکز بنانے کی پالیسی۔ یہ سب تہذیبی وتمدنی برتری کی شہادتیں ہیں (۲۰)

ظہرانہ کے بعد مجھے ملتان کو الوداع کہنا تھا۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر میں نے حاضرین و حاضرات سے یہ کہتے ہوئے رخصت چاہی:

اب بچھڑتے ہوئے تجھ سے میں بھی چپ فطرت بھی چپ
لفظ گونگے ہوگئے، موسم بھی بہرہ ہوگیا

مہمان خانہ سے تین بجے مجھے نکلنا تھا تاکہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ سکوں۔ آج موسی پاک اکسپریس سے لاہور کے لیے روانگی تھی۔ رفیق سفر ڈاکٹر جمیل احمد ہتکانی پہلے سے موجود تھے۔ ڈاکٹر سلطان محمود کھوکھر اور ان کے ریسرچ اسکالر اقبال کان یوسف زئی اپنے اپنے تحائف کے ساتھ میرا سامان اٹھا رہے تھے۔ ہم ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب کے اشارے کے منتظر تھے۔ آخر وہ آ ہی گئے حلوے کی سوغات کے ہم راہ۔ ہم نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کو الوداع کہا اور احمد فراز کو یاد کرنے لگے۔ انہوں نے کتنی صحیح ترجمانی کی ہے:

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

حواشی و تعلیقات

(۱) ۵؍جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انجمن اتحاد طلبہ کے سامنے مولانا مودودیؒ نے قدیم نظام تعلیم اور جدید نظام تعلیم کو یکسر مسترد کر کے ایک نئے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا تھا۔ اور مقصود اس نظام تعلیم سے دنیا کی امامت و قیادت کے لیے نئی نسل کو تیار کرنا تھا۔ اس نئے مجوزہ نظام تعلیم کی تین بنیادی خصوصیات مفکر اسلام نے بیان کی تھیں:

(الف) دینی اور دنیوی علوم کی انفرادیت مٹا کر دونوں کو یک جان کر دیا جائے۔

(ب) ہر طالب علم کو مجموعۂ علوم بنانے اور تکمیل کے بعد ہر ایک کو مولانا اور ہر ایک کو جملہ مسائل میں فتویٰ کا مجاز قرار دینے کے رائج طریقہ کو ختم کیا جائے اور اس کی جگہ اختصاصی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو سالہا سال کے تجربہ کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔

(ج) اس نظام میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے یہ نصب العین واضح اور متعین ہوگا کہ مسلک خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لیے دونوں کو جہاد کبیر کرنا ہے۔

دیکھئے تعلیمات، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی رامپور، مئی ۱۹۵۷ء، ص ۶۷۔۱۰۴۔

(۲) آزاد، ابوالکلام، غبار خاطر، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، بار دوم ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۱

(۳) نفس مصدر، ص ۱۵۳

(۴) نفس مصدر، ص ۱۵۴

(۵) نفس مصدر، ص ۱۵۸

(۶) نفس مصدر، ص ۱۶۲

(۷) مولانا آزاد نے الہلال میں ایک مکمل اسلامی تحریک کا بلیو پرنٹ پیش کیا تھا اور حزب اللہ کے نام سے ایک اجتماعی تحریک قائم بھی کی تھی جس کا مقصد احیائے اسلام اور اتباع تعلیمات قرآن تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کی کتاب ''سیاست الہلال اور ہندوستانی مسلمان''، ہلال پبلی کیشنز کلکتہ، ۱۹۹۰ء صفحات ۲۲۴۔

(۸) دیکھئے میری کتاب تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، طباعت سوم اگست ۲۰۰۰ء، ص ۲۷۰۔۲۸۷

(۹) ندوی، مجیب اللہ، ماہ نامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۳ء، ص ۴۶

(۱۰) سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، ضبط و تصحیح: محمد عدنان بن یسین درویش، داراحیاء التراث العربی بیروت، حدیث ۱۵۴۵

(۱۱) الغزالی ابوحامد، احیاء علوم الدین، منشورات محمد علی بیضون، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، جلد اول، ص: ۵۱۔۵۵

(۱۲) ندویؒ سید ابوالحسن علی، تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک، لکھنؤ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام،

۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص ۱٦

(۱۳) نفس مصدر، ص ۱۷

(۱۴) نفس مصدر، ص ۱۳، مولانا ندوی لکھتے ہیں: ''اصطلاحات اور مروجہ الفاظ وعنوانات نے بعض اوقات حقائق کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے اوران کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ دنیا کے ہر علم وفن، زبان وادب اور دین و مذہب میں اس زیادتی کی ایک طویل روداد ہے۔ ان اصطلاحات سے بسااوقات ایک نیا تصور پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے متعلق نئے نئے سوالات واعتراضات پیدا ہوگئے۔ اختلاف وتنازعہ کا ایک لا متناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مختلف مذاہب اور مکتب خیال وجود میں آئے۔ دلائل اور منطق کی محفلیں آراستہ ہوئیں۔ افکار وخیالات میں تصادم ہوا اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے۔ انہی اصطلاحات میں ایک اصطلاح تصوف ہے۔''

(۱۵) بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان، والاسلام والاحسان۔ حدیث ۴۸۔

(۱٦) نفس مصدر، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ کن فی الدنیا کأنک غریب، حدیث ۱۳۳۸

(۱۷) نفس مصدر، کتاب الرقاق، باب فی الأمل ۸۰۸

(۱۸) مسند احمد بن حنبلؒ، مسندابی ھریرۃ، تحقیق وشرح، احمد محمد شاکر، دارالمعارف مصر، الجزء الثالث عشر، حدیث ۷۴۷۳

(۱۹) القرشی ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ فی التاریخ، مصر مطبعۃ السعادۃ، الجزء السابع، ص ۳۹۔۴۰

(۲۰) ابوسلیمان عبدالحمید احمد، ازمۃ العقل المسلم، اردو ترجمہ: عبید اللہ فہد فلاحی، فکر اسلامی کا بحران، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۷

سمر اسلامک اسکولس

انعام اللہ فلاحی، شعبہ تعلیم مرکز جماعت اسلامی ہند

موبائیل نمبر: 8130959045

چھٹی کا لفظ اپنے اندر خوشیوں کا خزانہ رکھتا ہے۔ لمبی چھٹیوں کے مزے ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ گرما کی تعطیل کا بچوں کو شدت سے انتظار رہتا ہے۔ طلبہ کے مزے کرنے کے دن ہوتے ہیں۔ اس میں گھومنا پھرنا، سیر وتفریح کرنا، سائکلنگ کرنا، نکڑوں پر بیٹھ کر شور کرنا، ہنسنا اور ہنسانا، ساتھیوں کے ساتھ کرکٹ، فٹبال کھیلنا، گاؤں اور دیہات میں جا کر وہاں کے موسم اور فطری ماحول کا لطف لینا، رات میں دیر تک T.V دیکھنا، نیٹ پر گیم کھیلنا، ویڈیو دیکھنا، دن میں دوپہر تک سونا، گرما کی چھٹیوں کا عمومی کام اور مزاج یہی کچھ ہے۔ ضابطوں کے بندھن اور ایک خاص روٹین لائف سے آزادی کی زندگی ان ایام کی پہچان بن گئی ہے۔ والدین اور سرپرستوں کا رویہ بھی ان چھٹیوں میں دو انتہاؤں پر ہوتا ہے۔ بہت سے والدین اور سرپرستوں کے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی منصوبہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ گھر کی خواتین کو بھی روٹین کے ایام سے فرصت مل جاتی ہے، تو وہ بھی بچوں کی طرح دن میں دوپہر تک آرام کرتی ہیں، بچے پوری چھٹی بے مقصد سیر وتفریح اور موج ومستی میں ضائع کرتے ہیں۔ چھٹیوں کے بعد بچے جب اسکول جاتے ہیں تو پڑھا لکھا سب ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔ اسکول کا ہوم ورک تک پورا نہیں کرتے ہیں، نہ والدین کو توفیق ہوتی ہے کہ بچوں کی ڈائری دیکھ کر ان کے اسکول کا ہوم ورک پورا کرا دیں۔

اس مزاج کے سرپرستوں کی صرف ایک خواہش ہوتی ہے کہ بچے گھر میں شور نہ کریں، چاہے وہ دن بھر باہر رہیں، اس سے انہیں کوئی الجھن نہیں ہوتی ہے، بلکہ ڈانٹ ڈپٹ کر ان کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ بچے اپنی دلچسپی کے مشاغل تلاش کر لیتے ہیں اور کھیل کود اور سیر وتفریح میں اپنا سارا وقت صرف کرتے ہیں۔

دوسری طرف کچھ سرپرست بہت حساس ہوتے ہیں۔ بچوں کی چھٹی ہوتے ہی مختلف طرح کی اکیڈمیوں اور پارٹ ٹائم اسکولز میں ان کو اس طرح باندھ دیتے ہیں کہ چھٹیوں کو تعلیمی ایام سے بھی زیادہ

بوجھل بنا دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف ان کے اسکول سے بھی چھٹی کے لیے خاصا ہوم ورک دیا جاتا ہے، جن کی تکمیل کا بوجھ ان کے ذہن پر رہتا ہے، دوسری طرف مختلف طرح کی اکیڈمیوں اور کورسیز کے کام سے بچے دباؤ میں رہتے ہیں اور وہ سلیبس کے بوجھ سے بَری نہیں ہو پاتے۔ اس طرح بچے صرف پڑھائی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ کتابی کیڑا تو بن جاتے ہیں، اچھے نمبر بھی لے آتے ہیں، لیکن تجربات سے محروم ہوتے ہیں، اجتماعی زندگی کا شعور پروان نہیں چڑھ پاتا ہے۔ چیزوں کو دیکھنے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ لینے کی صلاحیت ان میں نہیں پیدا ہو پاتی، ان کے اندر خود اعتمادی کی کمی آ جاتی ہے۔ ان کے ذہنی اور جسمانی نشوونما پر برا اثر پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کو چھٹیوں میں کھیل کود کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ سیر وتفریح کے لیے بھی وقت متعین ہونا چاہیے۔ اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیلنے اور تبادلہ خیالات کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ روٹین کی زندگی سے کچھ دنوں کے لیے آزادی بھی چاہیے، اس سے ان کی زندگی میں سکون وراحت اور خوش گواری پیدا ہوتی ہے، لیکن دو ڈھائی ماہ کے ایام انہی کاموں میں صرف ہو جائیں، اتنا لمبا وقفہ سیر وتفریح کی نذر ہو جائے، اتنا قیمتی سرمایہ خوش گپیوں کی بھینٹ چڑھ جائے، یہ رویہ نہ صرف نامناسب ہے، بلکہ ہماری زندگی کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ زندگی کے انمول ایام کی بے قدری ہے۔ اسلام وقت کو بھی امانت سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایسا سرمایہ ہے جس کو ضائع کرنا زندگی کے ساتھ خیانت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

ضرورت ہے کہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ دو ڈھائی ماہ کے لیے بچوں کی نفسیات اور ان کی دلچسپیوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کی منصوبہ بندی کی جائے۔ جس میں بچوں کے لیے کھیل اور تفریح کا موقع بھی ہو، ان کی آزادی کا بھی خیال رکھا جائے، ان کے ہم عمروں کے ساتھ ملنے جلنے اور تبادلۂ خیالات کے مواقع بھی دیے جائیں۔ اس کی ایک بہتر شکل یہ ہو سکتی ہے کہ روزانہ کچھ اوقات تعلیم وتربیت کے لیے مختص ہوں اور کچھ اوقات کھیل وتفریح کے لیے۔

اس میں مختصر مدتی کورسیز بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ کمزور مضامین کی کوچنگ بھی کرائی جا سکتی ہے، اس طرح بعض SKILLS کی مہارت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی بول چال، اچھی ہینڈ رائٹنگ، بیسک کمپیوٹر، فرسٹ ایڈ، پرسنالٹی ڈیولپمنٹ، آرٹ اور کرافٹ وغیرہ۔

مسلم طلبہ کے لیے اسلامی تعلیمات سے واقفیت کا یہ سنہرا موقع ہوتا ہے۔ اسلامی معلومات حاصل کرنے کے لیے سرما کی چھٹیاں نعمت ہیں۔ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ مسلم طلبہ کی ۹۵ سے ۹۷ فی صد

تعداد عصری درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرتی ہے، جہاں قرآن مجید اور اسلامی تعلیم وغیرہ کا بیشتر اسکولوں میں کوئی نظم نہیں ہوتا۔بعض اسکولوں میں اسلامک اسٹڈیز کے نام سے جو چیزیں شامل ہوتی ہیں وہ بھی بہت ناقص اور ادھوری ہوتی ہیں۔اولاً تو اس مضمون کو رزلٹ میں شامل نہیں کیا جاتا، دوم اس مضمون کو پڑھانے کے لیے غیر تربیت یافتہ اساتذہ کو رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے طلبہ اس مضمون سے بددل ہوجاتے ہیں اوراس مضمون سے ان میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے، پھر نصاب تعلیم میں جو چیزیں شامل کی جاتی ہیں وہ چند ظاہری چیزیں ہوتی ہیں، جن کا انحصار بچوں کے یاد کرنے اور رٹنے پر ہوتا ہے۔سمجھ اور شعور کا اس میں دور دور تک واسطہ نہیں ہوتا۔عربی زبان میں انہیں کچھ چیزیں دین کے نام پر یاد کرادی جاتی ہیں۔

یہی وہ اسباب ہیں کہ مسلم طلبہ اور نوجوانوں کی اکثریت قرآن مجید کا ناظرہ اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہے۔اسلامی تعلیم واہمیت سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت چند رسوم و روایات کے علاوہ کچھ نہیں جانتی ہے۔اسلام کیا ہے؟اس دین کے ہم سے کیا مطالبات ہیں؟ ہم جن عبادات کو ادا کرتے ہیں ان کے انسان کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ نبیؐ کی زندگی کے حالات، خلفائے راشدین کی زندگی، اسلامی تاریخ کی بنیادی باتیں ہندوستان کے تناظر میں مسلم تاریخ جس کو مٹا کر زعفرانی رنگ میں رنگنے کی کوشش ہورہی ہے، ان تمام باتوں سے وہ ناواقف ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام مخالف قوتوں کے آلہ کار بنتے ہیں۔انہی کی زبان سے میڈیا میں بیانات دلائے جاتے ہیں، عدالتوں میں ایسی ہی خواتین اور مردوں کو کھڑا کیا جاتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔یہ نام کے تو مسلمان ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں اسلام سے ان کا دور کا بھی رشتہ نہیں ہوتا۔ضرورت ہے کہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے سمر اسلامک کلاسز کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ہمارے طلبہ دینی تعلیم سے واقف ہوسکیں۔

سمر اسلامک اسکول

سمر اسلامک اسکول کا اہتمام بعض تنظیموں، اداروں اور مراکز کی طرف سے ملک کے بیش تر شہروں اور قصبات میں کیا جاتا ہے، بلکہ بڑے شہروں میں کئی مقامات پر یہ اسکول چلتے ہیں۔یہ پورے ایک ماہ کا منظّم پروگرام ہوتا ہے۔روزانہ صبح یا شام میں ۳ سے ۴ گھنٹے کے لیے یہ اسکول لگایا جاتا ہے۔بعض مقامات پر ۱۵ دنوں اور ایک ہفتے کا اسکول بھی لگایا جاتا ہے۔اس اسکول کا مقصد مسلم طلبہ کو اسلامی تعلیمات سے فکری وعملی طور پر واقف کرانا ہوتا ہے، تاکہ ایک سچے مسلمان بن کر رب کی بندگی

کرسکیں۔اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرسکیں، اس مدت میں اسلامی عقائد،عبادات واذکار نیز صحیح تصور دین، سیرت نبوی ﷺ ، سیرت صحابہ، خلفائے راشدینؓ کی زندگی کے حالات اور اسلامی تاریخ کی ابتدائی باتیں بتائی جاتی ہیں۔اسی طرح عملی چیزوں میں طہارت، وضو، غسل، نماز، جنازے کی نماز، نماز وتر، روزہ، تلاوت قرآنی، قرأت، بنیادی اخلاقیات، نغمے، کہانیاں، پینٹنگ، مضمون نگاری وغیرہ پر مشتمل نصاب ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کھیل کود کے تفریحی پروگرام، مختلف نوعیت کے تعلیمی اور کھیل کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کام کسی ایک تنظیم اور جماعت کا نہیں ہے، بلکہ ملت اسلامیہ کے تمام بیدار مغز لوگوں کا ہے، جن کو اپنی ملت کی نئی نسل کو دینی تعلیم وتربیت کی فکر ہے۔ جو ملک کے حالات اور مستقبل پر نظر رکھتے ہیں۔ان تمام لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر اس کا نظم کرنا چاہیے۔مکاتب، مساجد اور مدارس کے ذمہ داران کو اس کام کے لیے آگے آنا چاہیے۔مساجد میں خطبہ جمعہ میں مسلکی اور اخلاقی گفتگو کرنے کے بجائے عقائد وعبادات اور تربیتی موضوعات پر اظہار خیال کرنا چاہیے۔

سرپرستوں کا کام

طلبہ کے سرپرست اور ذمہ داران کو، جن مقامات پر اس طرح کے اسکول یا کیمپ لگیں، اپنے بچوں کو وہاں پہنچانا چاہیے۔آنے جانے میں زحمت ہوتو سواری کا نظم کرنا چاہیے۔سرپرست حضرات کو خود چھٹیوں کو غنیمت سمجھ کر بچوں کو اپنے سے قریب کرنا چاہیے۔اسلامی تعلیمات کو بچوں کی زبان میں بتانا چاہیے۔گھر میں اسلامی ماحول بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔خود اسلامی تعلیمات اور اقدار کا عملی نمونہ بننا چاہیے۔

یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ صرف تنہا نیک بن جائیں، صرف ہمارا گھر اچھا ہو، تب بھی ہم اپنے بچوں کو برے ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔اس لیے اپنے پاس پڑوس اور دوست واحباب، ملنے جلنے والوں کو بھی اس کام کی ترغیب دینا ضروری ہے۔انہیں بھی اس کام میں ضرور شریک کرنا چاہیے۔

سمر اسلامک اسکول کے ذمہ داران

سمر اسلامک اسکول کے ذمہ داران کو علماء کرام، ائمہ مساجد، مدارس ومکاتب کے نظماء وذمہ داران کا احترام کرنا چاہیے، ان کی دینی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے، ان کے ذریعہ مساجد سے پروگرام میں طلبہ کو شریک کرانے کے لیے اعلان کرانا چاہیے، پروگرام کے افتتاح اور اختتام میں ان کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کرنا چاہیے، لکچرس کے لیے بھی موقع دینا چاہیے ،لیکن موضوعات کے ذیلی عناوین اور مراجع بھی دعوت نامے کے ساتھ دینا مناسب ہوگا، تاکہ طلبہ کو مطلوبہ میٹریل حاصل ہوسکے۔

مولانا آزاد اور غبارِ خاطر

جوہر جاوید گیا، بہار

موبائیل نمبر:8409640946

غبار خاطر مولانا آزاد کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے احمد نگر قلعہ میں اسیری کے دوران تحریر کیے تھے۔ مولانا آزاد مرحوم نے سیاسی اور غیر سیاسی ہر دو امور کو اپنے خطوط کا موضوع بنایا ہے۔ مگر غبار خاطر کے مجموعہ مکاتیب میں صرف غیر سیاسی مکتوبات ہی شامل کیے گئے ہیں۔ یہ مکاتیب ۳ ؍اگست ۱۹۴۲ء سے ۳ ؍ستمبر ۱۹۴۵ء کے دورانیے میں لکھے گئے ہیں۔

اس مجموعہ مکاتیب سے آزاد کی ذاتی زندگی بزبان آزاد روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ مزید برآں مولانا آزاد کی زندگی کے مختلف ایسے گوشے بھی سامنے آتے ہیں جن سے خود مولانا اگر نقاب کشائی نہ کرتے تو وہ صیغہ راز ہی رہ جاتے۔ ایک طرف جہاں ان خطوط کے مطالعہ سے آزاد کی نجی زندگی کی پسند و ناپسند، عائلی زندگی کے حالات، بچپن کے حالات، والد ماجد کی شب و روز کی سرگرمیاں، قید و بند کی صعوبتیں، مزاج کی نفاست، طبیعت کی لطافت وغیرہ امور روشنی میں آتے ہیں وہیں دوسری جانب متعدد علمی وفکری موضوعات پر آزاد کے افکار وخیالات سے آگہی بہم پہنچتی ہے۔

آپ کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ تھا، والد ماجد بزرگی و شیخیت کے مقام عالی پر فائز تھے۔ آپ کا خاندان لوگوں کی نگاہ میں جاہ و حشم اور عزت و شرف کا مقام رکھتا تھا۔ والد ماجد کے محاسن وکمالات اور تصوف وسلوک میں نامور و ممتاز ہونے کے باعث آپ کے گھر پر خلقت کا ہجوم مریدوں کی تربیت و تزکیہ کے لیے ہفتہ میں ایک بار شبانہ مجلس کا انعقاد (والد صاحب کی اصلاحی سرگرمیوں میں شامل تھا)۔

آزاد کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہی ہوئی۔ والد صاحب کے سایہ عاطفت میں علوم وعقلیہ و دینیہ کا اکتساب کیا۔ والد محترم کے علاوہ جن اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کا موقع میسر ہوا، ان کا انتخاب والد ماجد نے ہی اپنی پسند سے کیا تھا، یعنی چیدہ افراد علم وفن سے فیض یاب ہونے کا موقع

ملا۔ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جہاں تصوف وتقلید کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ عصری علوم کی تعلیم تو دور رہی گھر کی چہار دیواری سے باہر جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ آپ بچپن سے ہی مطالعہ کے شوقین تھے۔ کتب بینی کی طرف طبیعت مائل رہتی۔ وہ زمانہ جسے عموماً لوگ کھیل کود کا زمانہ باور کرتے ہیں اس زمانے میں آزاد کی طبیعت کھیل کود سے دور ہی رہی۔ بچپن میں بھی مطالعہ میں اس قدر منہمک رہتے کہ والد صاحب کو آپ کی تندرستی کی فکر لاحق ہوتی۔ جب سیر وتفریح کے لیے شام کے اوقات میں نکلتے تب بھی کوئی کتاب ہمراہ ضرور رہتی۔ تنہائی کی جگہ پا کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ رات میں ہمیشہ اپنی بہن سے بیدار کرنے کی ساجت کرتے۔

آزاد کا حافظہ واستحضار اس درجہ غیر معمولی تھا کہ حافظہ کی طاقوں پر رکھی ہوئی معلومات فوراً نوک زبان ہو جاتی۔ ابتدائی زمانے سے ہی آپ عام طلبہ کی روش کے برخلاف دروس میں سبقت لے جاتے۔ غیر معمولی ذہانت اور ذاتی شوق ولگن کی وجہ سے مختلف علوم وفنون میں کامل عبور ودسترس حاصل کر لیا تھا۔ ابھی آپ نے اپنی زندگی کی پندرہ بہار ہی دیکھی تھیں کہ درس نظامی کا نصاب پائے تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا درس نظامی سے فراغت کے معاً بعد آپ کو تدریس کی ذمہ داری دے دی گئی۔ آپ کی تعلیم کا سلسلہ ایک طرف جاری تھا اور ساتھ ہی طلبہ کو درس بھی دینے لگے تھے۔ آزاد رقم طراز ہیں: ''میں نے تکمیل فن کے لیے طب شروع کر دی تھی، خود قانون پڑھتا اور طلبہ کو مطول، میر زاہد اور ہدایہ وغیرہ کا درس دیتا۔ (ص:۹۹)

مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم ہر دور میں لوگوں کی توجہات کا مرکز رہا ہے۔ ہر دور میں اسے مزید بہتر تخلیقی اور نتیجہ خیز بنانے کی سعی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ آزاد نے بھی اپنی طالب علمی کے عہد کے مروجہ نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس کی بنیادوں کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ درس نظامیہ اور جامعہ ازہر دو نظام ہائے تعلیم پر گفتگو کی ہے اور اس کے حسن وقبح کی نشاندہی حد درجہ ایجاز کے ساتھ چند سطروں میں کر دی ہے۔ ان امور سے متعلق آزاد کی آراء اور ان کے افکار درج ذیل اقتباس سے بآسانی روشنی میں آجاتے ہیں۔ مولانا کے درج ذیل محققانہ اور بصیرت افروز تبصرہ سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کیوں مقرر ہوئے تھے۔

''پھر اس نظام تعلیم کا کیا تھا جس کی تحصیل میں تمام ابتدائی زمانہ بسر ہوا۔ اس کا جواب اگر اختصار کے ساتھ بھی دیا جائے تو صفحوں کے صفحے سیاہ ہو جائیں۔ ایک ایسا نظام تعلیم کہ جس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے سرتاسر عقیم ہو چکا ہے، طریق تعلیم کے اعتبار سے ناقص، درس واملا کے اسلوب کے اعتبار

سے ناقص، انتخاب کتب کے اعتبار سے ناقص، اگر فنون عالیہ کو الگ کر دیا جائے تو درس نظامیہ میں بنیادی موضوع دو ہی رہ جاتے ہیں۔علوم دینیہ اور معقولات ۔علوم دینیہ کی تعلیم جن کتابوں کے درس میں منحصر رہ گئی ہے۔اس سے ان کتابوں کے مطالب وعبارت کا علم حاصل ہو جاتا ہو لیکن خود ان علوم میں مجتہدانہ بصیرت حاصل نہیں ہو سکتی۔معقول سے منطق الگ کر دی جائے تو پھر جو کچھ باقی رہ جاتا تھا اس کی علمی قدر و قیمت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تاریخ وفلسفہ عہد قدیم کے ایک خاص عہد کی ذہنی کاوشوں کی یادگار ہے۔حالانکہ علم کی دنیا اس عہد سے صدیوں آگے بڑھ چکی ہے۔فنون ریاضیہ جس قدر پڑھائے جاتے ہیں، وہ موجودہ عہد کے ریاضیات کے مقابلہ میں بمنزلہ صفر کے ہیں۔(ص:۹۷)

مولانا کے تعلیمی افکار اس کے علاوہ بھی جگہ جگہ ملتے ہیں۔مولانا اپنے انہی تخلیقی رجحان تعلیم کی وجہ سے آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مقرر ہوئے اور اس میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔موجودہ آئی ٹی کا تصور بھی مولانا آزاد کی ہی وسعت نظر کا ثمرہ سمجھا جاتا ہے۔علمی وتحقیقی کام کے لیے آپ کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس غرض کے لیے مولانا نے دارالمصنفین کے استحکام کے لیے اپنے وزارتی عہد میں تعلیمی فنڈ سے تعاون کیا۔

آزاد کی طبیعت ابتدا سے ہی غیر جانب دار اور متلاشی حق واقع ہوئی تھی۔کسی بھی چیز کو قبول یا رد کرنے کا معیار آپ کے نزدیک تقلید نہیں تھی۔بلکہ اپنی ذاتی کاوش سے جستجو حق کے مراحل طے کرتے، اور اپنی رائے قائم کرتے ۔تقلید کے بجائے تحقیق کی روش پر آپ ساری زندگی کار بند رہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ متعدد مسائل میں سواد اعظم کے خلاف آراء رکھتے ہیں۔کبھی تو اصل میں بھی اختلاف ہو جاتا اور کبھی فرع میں۔اور یہ سب اس وقت کے حالات اور خاندانی ماحول کے برخلاف تھا۔جس عہد میں آپ نے آنکھیں کھولیں تھیں وہ سرتا سر تقلید جامد کا زمانہ تھا۔اس ماحول میں آپ نے اجتہاد وغور وفکر کی نئی طرح پر قدم بڑھایا جس کی آپ کی فطرت ابتدا سے ہی متلاشی تھی۔اور اس میدان میں بہت دور تک جا نکلے۔مذہبیات وسیاسیات، یا پھر ادبی خیالات وافکار ان تمام دوریوں کو آپ نے تنہا ہی قطع کیا۔مولانا آزاد کی زبانی سنئے:''مذہب میں، ادب میں، سیاست میں فکر ونظر کی عام راہوں میں جس طرف بھی نکلنا پڑا اکیلے ہی نکلنا پڑا، کسی راہ میں بھی وقت کے قافلوں کا ساتھ نہ دے سکا۔''

درج ذیل اقتباس میں دیکھئے کس زوردار انداز میں تقلید جامد پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں:

''انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقائد ہیں، اسے کوئی

طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی۔ جس طرح تقلیدی عقائد کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ انہیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ اعتقاد کی بنیاد علم ونظر پر ہونی چاہیے تقلید وتوارث پر کیوں ہو! (ص:۱۰۱)

غبار خاطر کے مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کی زندگی رنج ومحن کا حیرت انگیز مجموعہ ہے۔ ۱۹۱۶ء میں پہلی مرتبہ قید و بند کے حالات سے متعارف ہونے سے لے کر ۱۹۴۵ء تک زندگی عزیز کے کامل دس سال سات ماہ قید خانے کی نذر ہو گئے۔ فرنگی حکومت کی سختیاں اس پر مستزاد۔ مگر ان صعوبتوں سے آزاد کی افتادِ طبع ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ بلکہ جس تنہائی اور خلوت کے وہ آرزومند اور خواہاں رہتے تھے، وہ گوہر نایاب قسمت برگشتہ سے انہیں میسر آ گیا۔ قید خانے کے ویرانے میں بھی آپ کے پائے استقامت میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ پیہم گرفتاریوں اور اذیتوں سے جسم ضرور گھائل ہو گیا تھا مگر دل کا چمن امید وقناعت کی شمع سے معمور تھا۔ اعزہ واقارب حتیٰ کہ رفیق حیات کے درمیان بھی جدائی کی دیوار حائل کر دی گئی تھی۔ ان مکاتیب میں آپ کی قید و بند کی سرگزشت کا مفصل بیان موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مایوسیوں کی زد میں آنے سے آپ نے اپنی زندگی کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ کبھی افسردہ خاطر نہیں ہوئے اور نہ کبھی پژمردگی کو اپنے قریب بھٹکنے کی اجازت دیتے۔ ہمیشہ امید کی تابانی چہرہ پر نمایاں رہتی اور ایسا ہو بھی کیوں نہ کہ یاس وقنوطیت اور کبیدہ خاطر ہونا حوصلہ مندوں کا شیوہ نہیں۔ قید خانہ کی زندگی کو بھی نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے اور کبھی آپ پر شکوہ و نالہ کی کیفیت غالب نہ آ سکی۔ کسی کو یہ کہتے سنتے کہ فلاں کو قید تنہائی کی سزا دی گئی ہے تو حیرت واستعجاب میں کہتے کہ تنہائی بھی کبھی سزا ہو سکتی ہے کیا؟ آزاد کہتے ہیں: ''کبھی قید خانہ میں سنا کرتا ہوں کہ فلاں قیدی کو قید تنہائی کی سزا دی گئی ہے تو حیران رہ جاتا ہوں کہ تنہائی کی حالت آدمی کے لیے سزا کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا اسے سزا سمجھتی ہے تو کاش ایسی سزائیں عمر بھر کے لیے حاصل کی جا سکیں۔'' (ص:۸۳)

آزاد کی طبیعت خود دار اور حساس واقع ہوئی تھی۔ فرنگی حکومت نے جب قید خانہ میں اخبارات آنے پر بھی پابندی عائد کر دی اور خط و کتابت کی آزادی بھی سلب کر لی گئی اور کسی سے ملاقات کو بھی روا نہیں رکھا گیا، البتہ ان پابندیوں کے علاوہ کچھ مراعات دی گئیں کہ اگر کوئی چاہے تو باہر سے حکومت کے توسط سے کچھ منگوا سکتا ہے۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل نے آ کر آزاد سے کہا کہ اگر آپ کچھ کتاب وغیرہ منگوانا چاہتے ہیں تو اس کی ایک فہرست بنا کر مجھے دے دیں۔ حکومت اپنے تئیں اسے منگوا کر آپ کو دے گی۔ اس پر انہوں نے چند مطالبات کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔

چند روز بعد آپ کی خودداراور بے نیاز طبیعت اتنی سی رعایت بھی حاصل کرنے پر پشیمان ہوئی، اور دوسرے دن ہی انسپکٹر جنرل کو وہ مرسلہ پرزہ واپس کرنے کے لیے آپ نے خط ارسال کردیا۔مولانا کی زندہ دلی اور شان بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ ناسازگار اور نامساعد حالات میں بھی کسی طرح کی ادنی درجہ کی بھی رعایت حاصل کرنے پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی اور آپ پریشان خاطر ہوجاتے۔آپ کی غیرت کبھی سماجت کی اجازت نہیں دیتی۔

وقت حیات انسان کا گوہر نایاب ہے۔غبار خاطر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد اس متاع زندگی کو کبھی ضائع نہ ہونے دیتے، اسے ہر ممکن خدمت کے لیے استعمال کرتے۔غبار خاطر کے مطالعہ سے جا بجا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آزاد کی زندگی ایک بے حد مصروف زندگی تھی۔آپ عدیم الفرصت انسان تھے۔قید و بند کی زندگی کے علاوہ بھی آپ کی شب و روز کی سرگرمیاں بے حد مصروف رکھتیں۔ذاتی مطالعہ اور لکھنے کے لیے آپ نے اپنا ایک مخصوص وقت متعین کر رکھا تھا۔اس کے لیے آپ ایسے وقت کا انتخاب کرتے جس میں کوئی دانستہ یا نادانستہ مخل نہ ہوسکے۔رات کے پچھلے پہر کا موزوں انتخاب آپ نے اپنے خیالات کو قلم بند کرنے کے لیے کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی سپرد قرطاس کیا ہے عالم کیف میں ڈوب کر کیا ہے۔اور یہ کیوں نہ ہو کہ یہ وقت سہانا دل میں امنڈ رہے تلاطم کو سمیٹنے اور انہیں الفاظوں کا قالب دینے کے لیے موزوں ترین وقت ہے۔اس خوبصورت فضا میں جمال فطرت کی منظر کشی اس پر آزاد کا قلم رواں مستزاد! یوں محسوس ہوتا ہے کہ آزاد لکھتے نہیں سحر کاری کرتے ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں آزاد موسیقی کی طرف مائل تھے۔اس کوچہ کو بھی انہوں نے تشنہ نہیں رہنے دیا۔ایک ماہر فن استاذ سے جو آپ کے والد کا مرید تھا مراسم قائم کیے، اور فن موسیقی کی مبادیات و مصطلحات سے مکمل آگہی بہم پہنچائی۔آزاد کی طبیعت ابتداء سے ہی ہر فن میں کمال پیدا کرنے کی تھی، چنانچہ اس میدان میں جب قدم رکھا تو محض ذوق کی تسکین کے لیے نہیں رکھا جبکہ موسیقی کے جملہ امور سے آگہی پیش نظر تھی۔استاد فن سے مبادیات کی تحصیل کے بعد ستار اور بین پر اچھی مشق کر لی تھی۔اور معلومات کا ذخیرہ فن موسیقی پر سمیٹ لیا تھا۔موسیقی اور اس کی مختلف اقسام اور متعلقات پر جو فنکارانہ بحث ایک مکتوب میں کی ہے وہ کسی واقف کار فن کو بھی شرمندہ کردے گی۔ہندوستانی موسیقی اور اس کی تاریخ، ایرانی وحجازی موسیقی، یوروپین موسیقی اور اس کی وجہ ترجیح وغیرہ امور پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔آزاد کی موسیقی سے دل بستگی کس درجہ تھی اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:''میں زندگی کی

احتیاجوں میں ہر چیز کے بغیر خوش رہ سکتا ہوں، مگر موسیقی کے بغیر نہیں رہ سکتا، آواز خوش کن میرے لیے زندگی کا سہارا، دماغی کاوشوں کا مداوااورجسم ودل کی ساری بیماریوں کا علاج ہے۔'' (ص:۲۵۸)

شعر ونغمہ کے متعلق آزاد کہتے ہیں کہ نغمہ بھی ایک شعر ہے۔لیکن اسے حرف ولفظ کا بھیس نہیں ملا۔ اس نے اپنی روح معنی کے لیے نواؤں کا بھیس تیار کرلیا۔''

آزاد کی طبیعت موسیقی کی طرف مائل ضرور تھی مگر صرف آشنائی فن کے لیے اور جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو بعد میں اس کوچہ سے مراسم منقطع ہوگئے۔آزاد لکھتے ہیں:

''زندگی کے چمنستان ہزار رنگ کا ایک پھول یہ بھی تھا۔کچھ دیر کے لیے رک کر بو باس لے لی اور آگے نکل گئے۔مقصود اس اشتغال سے صرف یہ تھا کہ طبیعت اس کوچہ سے ناآشنا نہ رہے، کیونکہ طبیعت کا توازن اور فکر کی لطافت بغیر موسیقی کی ممارست کے حاصل نہیں ہوسکتی۔جب ایک خاص حد تک یہ مقصد حل ہوگیا تھا تو پھر مزید اشتغال نہ صرف غیر ضروری تھا بلکہ موانع کار کے حکم میں داخل ہوگیا تھا۔'' (ص:۲۵۷)

آزاد کا حافظہ واستحضار بہت معیاری تھا۔عربی وفارسی اور اردو کے اشعار کا ایک ذخیرہ ان کے نوک قلم پر ہمیشہ موجود رہتا۔غبار خاطر میں اشعار جا بجا استعمال کیے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ اور ہر محل کے لیے اشعار ان کے نوک قلم پر برجستہ رواں ہوجاتے تھے۔مولانا کو موزوں مقامات پر اشعار دہرانے پر ملکہ حاصل تھا۔ان کی اس حیرت انگیز مہارت کو دیکھ کر انسان دم بخود رہ جاتا ہے۔

غبار خاطر کے مطالعہ سے بعض ایسے دلچسپ امور بھی روشنی میں آجاتے ہیں جو اگر قلم بند نہ کیے جاتے تو لوگ اس سے ناآشنا ہی رہتے۔علاوہ ازیں قید خانہ کی مفصل روداد اور فرنگی حکومت کے ناروا طرز عمل سے بھی آگہی ممکن نہ تھی۔آزاد نے کوئی بھی چیز صیغہ راز میں نہیں رہنے دی، دل کے سمندر میں امنڈ رہے خیالات وتصورات کے تلاطم کو الفاظ وکلمات کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔پنڈت نہرو کے خراٹے اور دوران نیند ان کی انگریزی زبان میں بڑبڑانے کی عادت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ غبار خاطر میں صرف سگریٹ نوشی اور چائے کا تذکرہ ہے۔بلکہ اس سے ہر دو مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔آزاد کی زندگی کے بعض اہم گوشے جہاں ایک طرف اس سے روشنی میں آتے ہیں وہیں ادبی ذوق لطیف کے حاملین کے لیے بھی اس میں بھرپور آسودگی کا سامان موجود ہے۔

نایاب خطوط

ذیل میں سابق صدر جامعہ مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی حفظہ اللہ کا ایک اہم خط بنام جناب سہیل کار صاحب (ادارہ فلاح الدارین، بارہمولہ کشمیر) شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ ادارہ جناب سہیل کار صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ موصوف نے متعدد نایاب خطوط ادارہ حیات نو کو بغرض اشاعت ارسال کیے، فجزاہ اللہ خیرا۔ توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

برادر عزیز

السلام علیکم

اللہ تعالی آپ کو خیر وعافیت میں رکھے۔ آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور یہ جان کر افسوس ہوا کہ آپ بسلسلۂ تعلیم کافی عرصے جونپور میں رہے۔ مگر یہاں آنے کا موقع نہیں نکال سکے۔

آپ نے مجھے جو پرخلوص نصیحتیں کی ہیں، ان سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ ان شاء اللہ میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ آپ میرے لیے برابر دعا بھی کیا کریں کہ اللہ تعالی مجھے ہر فتنے سے دور رکھے۔ اور ہمیشہ عزیمت واستقامت کی راہ پر قائم رکھے۔

☆ اگر آپ عربی زبان سیکھنی چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے لیے کوئی اچھا عربی جاننے والا استاذ تلاش کریں۔ اس کے بغیر عربی زبان نہیں آتی۔

☆ کل نفس ذائقة الموت، یہ اللہ تعالی کا اٹل قانون ہے۔ موت سے کسی کے لیے مفر یا چھٹکارا نہیں۔ شہید یا نبی کے لیے جس زندگی کا ذکر آتا ہے، وہ موت کے بعد نہیں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالی نے خود پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے، ''انك ميت وانهم ميتون'' (تمہیں بھی مرنا ہے اور ان کافروں کو بھی مرنا ہے)۔

انبیاء اور شہداء کی زندگی عالم برزخ میں کس انداز کی ہوتی ہے اس کی کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی

ہے۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ زندگی اس قسم کی نہیں ہوتی کہ وہ کسی کی پکار یا فریاد کو سن سکیں۔ یا کسی کی کوئی مدد کر سکیں۔اس سلسلے میں بریلوی حضرات جو کچھ کہتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہے۔

☆ جو لوگ قرآن سے محبت کرتے ہیں۔ پابندی سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔اور اس کو سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، آج بھی قرآن ان کے دلوں پر اثر کرتا اور ان کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔ نہ پہلے وہ تمام لوگوں پر اثر کرتا تھا، نہ آج اثر کرتا ہے۔ یہ قرآن قیامت تک کے لیے آیا ہے۔اور اس کی تاثیر قیامت تک برقرار رہے گی۔

☆ علماء انبیاء کے وارث ہیں، یہ حدیث صحیح ہے۔مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء کو بھی اسی طرح کا اخلاق وکردار اور اسی طرح کا تعلق باللہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، جیسا انبیاء کرام کے اندر ہوتا تھا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انبیاء کی طرح ان کی بھی آنکھ بند کر کے تقلید کرنی ہے۔

☆ علم حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے، یہ حدیث صحیح اور مستند ہے۔

☆ اردو زبان میں فقہ پر ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس میں تمام احکام ومسائل کی وجہ یا ان کی تفصیلی دلیل دی گئی ہو۔

آپ کے سوالات کے یہ مختصر جوابات ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیں۔ اللہ تعالی آپ کی دست گیری فرمائے۔آپ کو اپنے دین کا سچا پیرو اور سرگرم خادم بنائے۔اور ہر ہر قدم پر آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے۔

والسلام علیکم

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی ۱۷/۹/۱۹۹۹ء

ادارہ احیائے دین۔جامعۃ الفلاح

بلریا گنج۔اعظم گڑھ۔یوپی

نعت پاک

جہان آب وگل میں پھر نیا اک انقلاب آیا
پیامی بن کے وہ امی لقب ختمی مآب آیا
خدا کا شاہکار آیا ہدی کا آفتاب آیا
جہانِ رنگ وبو کے واسطے دور شباب آیا
ہوئی دنیا میں بارش ہر طرف علم ومعارف کی
وہ سرتاپا کرم جب بن کے رحمت کا سحاب آیا
ہوئیں کافور جس سے ظلمتیں جوروتعدی کی
برائے امن عالم لے کے وہ ایسی کتاب آیا
حصارِ جبر ٹوٹا بے کسوں کا اور ضعیفوں کا
بچانے کے لیے ناموسِ نسواں کو حجاب آیا
گرایا منھ کے بل اس نے نظام کفروباطل کو
جہاں کے سارے طاغوتوں کا پھر یوم حساب آیا
خود اس سرکار کا کیا رتبہ ہوگا جس کی امت کو
خدا کی بارگہ سے خیرامت کا خطاب آیا
سنے تجھ سے جو میں نے نعت کے اشعار اے عارف
مرے دل میں سرور وکیف آیا اضطراب آیا

حافظ احسان الحق عارف آثمی،
شیخ التفسیر کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

غزل

زمیں کی آنکھ سے منظر کوئی اتارتے ہیں
ہوا کا عکس چلو ریت پر ابھارتے ہیں

خود اپنے ہونے کا انکار کر چکے ہیں ہم
ہماری زندگی اب دوسرے گزارتے ہیں

تمہاری جیت کا تم کو یقین آجائے
سو ہم تمہارے لیے بار بار ہارتے ہیں

تلاش ہے ہمیں کچھ گمشدہ بہاروں کی
گزر چکے ہیں جو موسم انہیں پکارتے ہیں

چمک رہے ہیں مرے خیمۂ سخن ہر سو
حریف دیکھیے شب خون کیسے مارتے ہیں

یہ کیسی حیرتیں درپیش ہیں عزیزؔ نبیلؔ
ذرا ٹھہرتے ہیں، آسیبِ جاں اتارتے ہیں

عزیز نبیلؔ،قطر

تعارف وتبصرہ

سماجی برائیوں کا انسداد اور قرآنی تعلیمات(مقالات سمینار)

مرتب:اشہدرفیق ندوی

صفحات :۴۴۰

تاریخ اشاعت:۲۰۱۵ء

قیمت:۳۶۰روپیہ

ناشر:ادارۂ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر۹۹،شبلی باغ علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

مبصر: محمداسعدفلاحی،نئی دہلی

ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ کا قیام،کتاب اللہ کی عظمت اوراس کی اساسی حیثیت کے احساس کو لوگوں کی نگاہوں میں باقی رکھنے اوراس کے طرف متوجہ کرنے کے لیےمختلف انداز اورمختلف پہلوؤں سے،اس سے ربط وتعلق کو ہمیشہ استواررکھنے،قرآنی علوم ومعارف کی توسیع واشاعت کی کوششوں کوجاری رکھنے کے باوقارعزائم اورمقاصد کے تحت ۱۹۸۴ءمیں عمل میں آیا۔

یہ ادارہ گزشتہ تیس(۳۰)برسوں سے قرآن مجید سے متعلق،مختلف موضوعات پر،مختلف جگہوں پر قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرنے کے رجحان کوفروغ دینے کے مقصد سے اپنی سی کوشش کررہاہے۔ چنانچہ اس ادارہ کی طرف سے گزشتہ کئی برسوں سے ہرسال قرآن مجید سے متعلق کسی اہم موضوع پرسمینار کاانعقادکیاجاتاہے جس میں وقت کے سلگتے ہوئے مسائل کاحل قرآن مجید کی روشنی میں اجتماعی گفتگواور بحث ومباحثہ کے ذریعہ دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔بعد میں سیمینار میں پیش کردہ مقالات کو عوام وخواص کی افادیت کی غرض سے کتابی صورت میں شائع کردیاجاتاہے۔

زیرِنظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ کی طرف سے ۲۷-۲۸ ستمبر ۲۰۱۵ءکو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں 'سماجی برائیوں کاانسداداورقرآنی تعلیمات'موضوع کے تحت

ایک سیمینار کا انعقاد ہوا۔ جس کا مقصد سماج میں پھیلی برائیوں کی روک تھام کی کوشش تھا۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگاران نے مرکزی موضوع کے تحت اپنے مقالہ کو بھر پور تیاری کے ساتھ قرآن کی روشنی میں تیار کیا ہے۔ مقالات میں قرآن کی روشنی میں سماجی برائیوں سے بھر پور تعرض کیا ہے۔ مقالات میں شرک وبدعات، ظلم وفساد، فحاشی وعریانیت، استکبار وسماجی اونچ نیچ، دروغ گوئی، شراب نوشی، عیاشی واباحیت پسندی، رسم ورواج، سود، جنسی تشدد جیسی مختلف برائیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

کتاب میں موجود تیئیس (۲۳) مقالات کے ساتھ مولانا محمد فاروق خان صاحب (معروف اسلامی اسکالر) کے کلیدی خطبہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ سارے مقالات اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

فساد فی الارض کی تعریف اور جہات

سماجی برائیوں کے انسداد کی قرآنی اپروچ اور حکمت عملی

سماجی معاشرتی برائیوں کا انسداد قرآن کی روشنی میں

ظلم وجبر کا قرآنی تصور

مادہ پرستی قرآن کی نظر میں

سماجی تفاخر کا انسداد قرآنی-اسلامی تناظر میں

جنسی استحصال اور قرآنی تعلیمات

اخلاقی بحران- فتنہ وفساد کی بنیاد

گداگری اور اسلام میں اس کا علاج

شراب اور نشے کی ممانعت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ان متنوع موضوعات سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب سماجی برائیوں کے انسداد کے سلسلے میں ایک اہم کوشش ہے جو ناقابل فراموش ہے۔ مقالات زبان و بیان، مواد واستدلال ہر اعتبار سے لائق تحسین اور قابل مطالعہ ہیں۔ امید ہی کہ کتاب کو عوام وخواص میں قبولیت حاصل ہوگی اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا اور ساتھ ہی بڑے پیمانے پر اس سے فائدہ بھی اٹھایا جائے گا۔

آپ کے خطوط

وصیل خان،اردو نیوز ممبئی

ایک تسلسل کے ساتھ اشاعت پذیر جریدہ حیات نو اپنے معیاری مشمولات اور اسلام کی خالص تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہے۔ جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کا ترجمان یہ جریدہ اصلاً اسلام کا ترجمان ہے۔ جدید اسلوب اور قابل تفہیم طرز بیان کے حامل اس کے بیشتر مضامین اپنی صداقت، معنویت اور فکر انگیزی کے ساتھ دلوں میں اترتے محسوس ہوتے ہیں۔ الحاد و بے دینی کی اس وسیع وعریض فضا میں اس کا وجود اس قطرۂ نیساں جیسا ہے جس کا مقدر پتھر نہیں موتی بننا ہوتا ہے۔ ادارتی صفحہ پر عدل وانصاف کے قیام اور اس کی اہمیت وضرورت کو موضوع بنایا گیا ہے جو آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ آج دنیا کی جو حالت ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں جس کے ایک ایک خطے میں ظلم وطغیان، حیوانیت وبربریت کا جو برہنہ رقص جاری ہے اس کے نتائج بھی مضمر نہیں ہیں۔ وطن عزیز ہندوستان جو کبھی گہوارۂ امن تصور کیا جاتا تھا آج اس کی حالت سب سے زیادہ بدتر ہوتی جارہی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات اور اس کی آڑ میں بے گناہ اقلیتوں کا خون مباح قرار دے دیا گیا ہے۔ معصوم بچیوں کی عصمتوں سے کھلواڑ ایک عام بات ہوگئی ہے۔ پورے ملک میں واویلا مچا ہوا ہے لیکن جن ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے انہیں انصاف اور امن سے کوئی سروکار نہیں، وہ صرف اور صرف حصول اقتدار اور اس کے زیر سایہ حاصل ہونے والے تعیّشات کے خوگر بنے ہوئے ہیں۔ موجودہ صورتحال اس احساس کو مزید تقویت پہنچارہی ہے کہ جنگلوں میں رہنے والے وحشی درندوں میں بھی وہ سفاکیت نہیں جو آج کے ان انسانوں میں ہے۔

مدیر ابوالاعلی سید سبحانی رقمطراز ہیں ''عدل وانصاف شریعت کے کلی اور بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ انسان کے بنیادی حقوق سے آگے بڑھ کر انسان کی بنیادی ضرورتوں میں داخل ہے۔ عدل وانصاف کا رویہ مضبوط سماجی تعلقات کی بہت ہی اولین بنیادوں میں سے ہے۔ شریعت کی منشاٗ ہے کہ اس دنیا میں عدل وانصاف قائم ہو اور عدل وانصاف ہر کسی کے لیے عام ہو اور ہر ایک کے لیے اس کی دستیابی کو یقینی بنایا جائے، خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو''۔

جریدے کے دیگر مشمولات بھی اسی اسلامی طرز فکر کے گرد گھومتے ہیں جس سے اعلی انسانی تہذیب ومعاشرت کی تکمیل ہوتی ہے۔ محبت رسولؐ کے عنوان سے سراج احمد برکت اللہ فلاحی کا مضمون اپنے موضوع سے مکمل انصاف کرتا ہوا دلوں میں تیزی سے جگہ بناتا ہے۔ ہندو اہل علم کی سیرت نگاری کے موضوع پر ڈاکٹر ضیاء الدین کی تحریر ایک معلومات افزا اور قابل قدر تحقیق ہے۔ فرحین اسرار فلاحی نے ''بچاؤ اس آگ سے'' کے عنوان سے ایک مدلل بحث کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ جہنم کی آگ سے محض اپنی ذات ہی کو نہیں بلکہ متوسلین ومتعلقین کو محفوظ رکھنا بھی فرد کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں جس کا تقاضا قرآن بار بار کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ جریدہ اپنے طرز نگارش اور فکر کے اعتبار سے کسی چراغ رہِ منزل سے کم نہیں، جس کا مطالعہ ہر ایک کے لیے مفید اور ضروری ہے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلیٰ، جامعۃ الفلاح

جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب کا دعوتی لکچر

۱۷رفروری ۲۰۱۸ء ابواللیث ہال میں ایک دعوتی لکچر منعقد ہوا۔ سید طارق مرتضیٰ صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ امت پہلے بھی آزمائشوں سے دوچار ہوئی تھی، اس وقت علماء کرام نے حالات کا مقابلہ کیا تھا۔ آج پھر امت آزمائشوں میں گھری ہوئی ہے، اوران آزمائشوں کی زد میں فلسطین، شام، لبنان، صومالیہ، بوسینیا، لیبیا، مصر سے ہوکر میانمار اور اب ہندوستان تک آرہے ہیں، لیکن آج علماء کرام اپنا رول ادا کرتے ہوئے نظر نہیں آرہے ہیں۔ موصوف نے فرمایا کہ یہ جو حالات اس وقت ہندوستان میں دکھائی دے رہے ہیں ان کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دعوت دین کا کام چھوڑ دیا ہے۔ گھر گھر تک اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا ہے۔ جو کچھ کام دعوت کے نام پر ہوتا ہے وہ مسلم معاشرہ کی اصلاح تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے، اور ہم اصلاح معاشرہ کے کام کو دعوت سمجھنے کی غلطی کرتے رہتے ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم دن میں بار بار اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں کہ اشھدان لا الہ الا اللہ، یہ پہلا رکن ہے، لیکن عملی سطح پر ہم نے اس رکن کو چھوڑ رکھا ہے۔ جب جب امت اس فریضہ سے غافل ہوئی ہے اس کو آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ موصوف نے اس موقع پر اپنے متعدد اہم دعوتی تجربات اور مشاہدات بھی طلبہ کے سامنے پیش کیے۔

مسابقہ مقالہ نگاری بعنوان ’’طالب علم اور چھٹیاں‘‘

ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کی طرف سے تعطیل سرما کے دوران طلبہ کے لیے ’’طالب علم اور چھٹیاں‘‘ عنوان کے تحت مقالہ نگاری کے مسابقہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس مسابقہ میں طلبہ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا۔ مسابقہ میں شامل درج ذیل طلبہ کو انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

اشفاق حسین	فضیلت اول
محمد اشہد	فضیلت دوم
صفی الرحمٰن نبیل	عربی پنجم
وقار احمد کشمیری	فضیلت اول
نیاز ملک	عربی چہارم
محمد سفیان مقبول	عربی چہارم
محمد عمر اشرفی	عربی سوم

آخر میں اختتامی کلمات ناظم جامعہ نے پیش کیے، اس پروگرام کی نظامت کے فرائض جناب مولانا اعجاز قاسمی صاحب نے ادا کیے۔

مولانا عبدالرحمٰن ندوی صاحب کا طلبہ سے خطاب

۲۱/مارچ ۲۰۱۸ء ابواللیث ہال میں مولانا عبدالرحمٰن ندوی صاحب نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ علم ایک عظیم نعمت ہے، علم حاصل کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے، موصوف نے اس اصولی بات کو پیش کرتے ہوئے ملت اسلامیہ ہند کی موجودہ تعلیمی صورتحال کا ایک جائزہ پیش کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ ہر ہر طالب علم کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کسی کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنالے اور پھر اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدوجہد اور سخت جدوجہد شروع کردے۔ موصوف نے فرمایا کہ اسلامی تاریخ میں بے انتہا ایسے لوگ گزرے ہیں جو ایک طالبعلم کے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت اہل علم کو فضیلت بخشتا ہے اور ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

ایس آئی او سرکل کے سالانہ پروگرام میں ناظم جامعہ

۲۲/مارچ ۲۰۱۸ء بعد نماز مغرب ایس آئی او جونیئر سرکل کی جانب سے سالانہ ثقافتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں عربی اول کے طلبہ نے عربی زبان میں ڈرامہ پیش کیا جو قابل دید تھا۔ ناظم جامعہ نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کچھ صلاحیت ہے تو اس کو کڑی محنت کے بعد اس مقام پر لے جایا جاسکتا ہے جہاں ہر شخص اس کی قدر کرے گا، طلبہ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بغیر محنت کے صلاحیت اپنا مقام نہیں پیدا کرسکتی۔ اس پروگرام میں جو تقاریر پیش ہوئیں ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر محنت کی جائے تو انسان بہت کچھ بن سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ تین سوالات آپ اپنی گرہ میں

باندھ لیں تو آپ بہت آگے جائیں گے اور زندگی میں بہت کچھ کارنامے انجام دے سکیں گے۔ من اَین؟، الی اَین؟، اور وَلما۔ اس مناسبت سے ناظم جامعہ نے پروگرام میں شریک طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے اعلان فرمایا کہ انہیں کلیات اقبال بطور انعام دی جائے گی۔

تقریب تقسیم اسناد برائے تجوید وقرأت

۲؍اپریل ۲۰۱۸ء مودودی ہال میں بعد نماز عشاء تقسیم اسناد برائے تجوید وقرأت کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں درج ذیل طلبہ کو اسناد تقسیم کی گئیں:

محمد ابراہیم	فضیلت سال دوم
محمد امجد	فضیلت سال دوم
ابومعاذ	فضیلت سال اول
محمد اشہد	فضیلت سال اول

اس پروگرام میں جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب، جناب مولانا اعجاز قاسمی صاحب، جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب، جناب مولانا حافظ احسان الحق فلاحی صاحب اور جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی صاحب نے شرکت کی۔

ایس آئی او فلاح یونٹ کا انتخاب

۱۲؍اپریل ۲۰۱۸ء ایس آئی او فلاح یونٹ کی انتخابی میٹنگ ہوئی جس میں ایس آئی او فلاح یونٹ کے ممبران کے علاوہ صدر حلقہ یوپی مشرق جناب محمد رافع فلاحی صاحب اور ناظم علاقہ جماعت اسلامی گورکھپور جناب مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب نے شرکت کی۔ مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب نے اپنی افتتاحی گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے کائنات کی ہر چیز ہمارے لیے بنائی ہے، ہمیں بذات خود کسی ذمہ داری کے لیے لالچ نہیں رکھنا چاہیے، البتہ کوئی ذمہ داری مل جائے تو اس کو اللہ کا نام لے کر صحیح انجام تک پہنچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

صدر حلقہ یوپی مشرق جناب محمد رافع فلاحی صاحب نے دستور کی تفہیم کراتے ہوئے فرمایا کہ بہت سوچ سمجھ کر اپنے صدر یونٹ کا انتخاب کریں، اور ہر فرد اس بات کے لیے تیار رہے کہ اس پر جو بھی ذمہ داری عائد کی جائے گی وہ اس کو بحسن وخوبی ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بعد اتفاق رائے سے برادر عبداللہ امین (فضیلت سال اول) کو فلاح یونٹ کا صدر منتخب کیا گیا۔

جامعہ میں سالانہ امتحانات

تعلیمی کلینڈر کے مطابق جامعہ میں سالانہ امتحانات ۱۴/اپریل تا یکم مئی ۲۰۱۸ء تک ہوئے۔ ۸/مئی کو نتائج کا اعلان کیا گیا۔ نتائج جامعہ کی درج ذیل ویب سائٹ پر بھی نشر کیے گئے:

www.jamiatulfalah.org

تعلیمی کلینڈر بابت ۱۹-۲۰۱۸ء مطابق ۴۰-۱۴۳۹

تعلیمی سال کا آغاز:	۲۴/جون ۲۰۱۸ء بروز اتوار
داخلہ وتجدید داخلہ:	۲۵/جون تا ۲۹/جون ۲۰۱۸ء
ضمنی امتحانات:	۲۵/جون تا ۴/جولائی ۲۰۱۸ء
داخلہ ٹسٹ:	۲۷/جون ۲۰۱۸ء
آغاز تعلیم:	۳۰/جون ۲۰۱۸ء
تعطیل عیدالاضحیٰ:	۱۹/اگست ۲۰۱۸ء تا ۲۵/اگست ۲۰۱۸ء
امتحان ششماہی:	۳۱/اکتوبر تا ۱۳/نومبر ۲۰۱۸ء
آغاز ششماہی ثانی:	۱۵/نومبر ۲۰۱۸ء
اعلان نتائج ششماہی:	۲۷/نومبر ۲۰۱۸ء
تعطیل سرما:	۲۹/دسمبر ۲۰۱۸ء تا ۱۷/جنوری ۲۰۱۹ء
آغاز تعلیم بعد تعطیل سرما:	۱۹/جنوری ۲۰۱۹ء
سالانہ امتحانات:	یکم اپریل تا ۱۸/اپریل ۲۰۱۹ء
اعلان نتائج سالانہ:	۲۵/اپریل ۲۰۱۹ء
آغاز تعطیل کلاس:	۲۷/اپریل تا ۱۲/جون ۲۰۱۹ء

استاذ الاساتذہ مولانا مطیع اللہ فلاحی مدنی کا سانحہ ارتحال

یکم مئی ۲۰۱۸ء کو استاذ الاساتذہ مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب کے سانحہ ارتحال کی اچانک ملنے والی خبر فارغین جامعۃ الفلاح اور وابستگان جامعۃ الفلاح پر بجلی بن کر گری، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاٹس اپ گروپس اور سوشل میڈیا کے دوسرے ذرائع پر تعزیتی خطوط اور پیغامات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دنیا بھر سے مولانا کے شاگردوں نے اپنے اپنے انداز سے تعزیت کرنے کی کوشش کی۔ اس مناسبت سے صدر انجمن اور سکریٹری انجمن نے بھی تعزیتی خطوط نشر کیے، جنہیں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ آئندہ شماروں میں کوشش رہے گی کہ مولانا کے احباب، شاگردوں اور مولانا کے اہل خانہ کے تعزیتی مضامین بھی شائع کیے جائیں۔ اس موقع پر انجمن کی مختلف یونٹوں کی جانب سے تعزیتی نشستیں بھی منعقد کی گئیں، آئندہ شماروں میں ان شاءاللہ ان کی تفصیلات بھی شائع کی جائیں گی۔

صدر انجمن کا تعزیتی خط

برادر عزیز کلیم احمد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔

آپ کے والد محترم برادر مطیع اللہ فلاحی مدنی کا اچانک دار فانی سے رخصت ہوجانا ہم سب کے لیے باعث صدمہ ہے۔

برادر موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی بھی بشر کو فرار نہیں ہے۔ ہم سب کو باری باری وقت معین پر رخصت ہونا ہے۔ اس دنیا کا نظام اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی طرح بنایا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ حتی کہ انبیاء، اولیاء و صلحاء کو بھی اس سے مفر نہیں۔

موت سے کس کو رستگاری ہے　　آج وہ کل ہماری باری ہے

اللہ کی ذات کے سوا ہر شئی کو فنا ہونا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب اس کو یاد

رکھیں اور غفلت کی چادر ہمیں مقصد زندگی سے دور نہ کرنے پائے۔ اللہ کی یاد اور مقصد زندگی کا شعور ہی ہماری زندگی کو دوام دینے والی چیز ہے۔

میں خود اپنے لیے اور انجمن کے جملہ احباب کے لیے اور آپ کے لیے اللہ سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو صبر کی توفیق دے اور مقصد زندگی سے ہر لمحہ قریب رکھے۔ ہماری جو باقی زندگی ہے اس میں خیر و صلاح کی توفیق دے۔ آمین

والسلام

مشرف حسین صدیقی

صدر انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

سکریٹری انجمن کا تعزیتی بیان

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے لیے مولانا مطیع اللہ فلاحی مدنی صاحب کا انتقال نہایت تکلیف دہ ہے۔ اچانک دل کا دورہ پڑنے سے ان کا دار فانی سے کوچ کر جانا متوسلین جامعہ بالخصوص فارغین جامعہ کے لیے صدمہ کا باعث ہے۔ مولانا نہایت ہی سادہ اور دل کے صاف انسان تھے۔ محنت اور جفاکشی ان کا شیوہ تھا۔ انہوں نے ایک لمبے عرصے تک مادر علمی کی خدمت کی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں شاگرد چھوڑے ہیں جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

مولانا انجمن طلبہ قدیم کے تاسیسی رکن بھی تھے۔ وہ ہمیشہ مقاصد انجمن کے لیے سرگرم عمل رہے اور بحیثیت سکریٹری انجمن بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

انجمن اس موقع پر مادر علمی کے اس بے لوث اور مخلص سپوت کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اللہ رب العزت ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ انجمن طلبہ قدیم کے ممبران سمیت تمام اہل خانہ و وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام

انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح